40

صنعت و حرفت کے متعلق اسلام کے چند اہم اصول

(فرمودہ 17 نومبر 1944ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"گزشتہ دو خطبات سے پہلے مَیں نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں ذکر کیا تھا کہ تبلیغی لحاظ سے جہاں مَیں نے قرآن شریف کے تراجم اور بعض دوسری اسلامی کتابوں کے تراجم کی طرف توجہ دلائی ہے وہاں اِسی سلسلہ میں مَیں ایک اَور مضمون کی طرف بھی جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ مضمون اُس کی تجارت اور صنعت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ آج مَیں اِسی مضمون کے متعلق اپنے بعض خیالات کا تفصیلی طور پر اظہار کرنا چاہتا ہوں۔

دنیا میں جب کبھی مذہبی یا غیر مذہبی جماعتیں بڑھتی اور ترقی کرتی ہیں تو اُن کے کام بھی ساتھ ہی ساتھ بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ فرض کرو پہلے ایک جماعت زمینداروں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے تو پھر ترقی کرکے وہ ملازموں کو اپنے اندر شامل کرنا شروع کر دیتی ہے۔ پھر مزدور پیشہ لوگوں کو وہ اپنے اندر شامل کرنا شروع کر دیتی ہے۔ پھر کاریگر اُس میں شامل ہوتے ہیں۔ پھر صنّاع اُس میں شامل ہوتے ہیں۔ پھر تاجر اس میں شامل ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک جماعت جو اس بڑی جماعت میں آکر داخل ہوتی ہے وہ اپنے ساتھ اپنی روایتیں لاتی ہے،

اپنے ساتھ اپنی خوبیاں لاتی ہے۔ اور اپنے ساتھ اپنے نقائص بھی لاتی ہے بہر حال بڑھنے والی جماعت مجبور ہے کہ وہ چاروں گوشوں میں ترقی کرے۔ اگر وہ چاروں طرف ترقی نہیں کرے گی تو وہ ایک بیمار جسم کی صورت اختیار کر لے گی۔ جیسے اچھا درخت وہی ہوتا ہے جس کی شاخیں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہوں۔ اگر کسی درخت کی شاخیں صرف ایک طرف نکلی ہوئی ہوں یا دو طرف پھیلی ہوئی ہوں یا صرف تین طرف پھیلی ہوئی ہوں تو ہر شخص دیکھ کر اُسے بیمار اور کمزور قرار دے گا۔ اعلیٰ درجے کا درخت قرار نہیں دے گا۔ پس مذہبی جماعت ہو یا دنیا کی کوئی اَور جماعت ہو جب کبھی ترقی کرے گی اُس کے کاموں میں تنوّع پیدا ہوتا چلا جائے گا، اُس کے کاموں کی مختلف قسمیں نکلتی آئیں گی اور اُس کے کاموں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔ اُس کی مثال بالکل بچّہ کی سی ہوتی ہے کہ جب وہ بڑھتا ہے تو اُس کے تمام اعضاء متناسب طور پر بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ پہلے تو اُس کے جسم کے سارے اعضاء بنتے ہیں اور پھر سارے اعضاء ترقی کرتے جاتے ہیں۔ اِسی طرح جُوں جُوں وہ جماعت طاقت پکڑتی جاتی ہے اُس کے باقی ماتحت حصے بھی اُس کے ساتھ ہی ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ بچّہ جب بڑھتا ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ اُس کے ہاتھ چھوٹے رہ جائیں اور پاؤں بڑھ جائیں، یا پاؤں چھوٹے رہ جائیں اور ہاتھ بڑھ جائیں، یا سر تو بڑھتا رہے مگر سینہ نہ بڑھے، یا سینہ تو بڑھے مگر سر چھوٹا رہے ایسا نہیں ہوتا بلکہ اُس کی ساری چیزیں یکساں طور پر ترقی کرتی ہیں۔ اِسی طرح جب کوئی جماعت پھیلنے لگتی ہے تو جہاں اُس کے پھیلنے کے ساتھ دین ترقی کرتا ہے وہاں اُس کی دنیا بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

ہاں یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مذہبی جماعتیں اپنی ترقی کی نسبت تین قسم کے خیالات رکھتی ہیں:۔

(1) بعض جماعتوں کا یہ خیال ہے کہ مذہب نام ہی اِس بات کا ہے کہ دنیا کو چھوڑ دیا جائے اور کُلّی طور پر تمام افراد اپنے تمام اوقات دینی کاموں میں مشغول رکھیں۔ ایسی جماعتیں یا تو دنیا میں صرف تصوّف کا ایک سلسلہ ہو کر رہ گئی ہیں اور یا پھر وہ اپنی بات پر عمل نہیں کر سکیں۔ بہت سے سادھو اور فقیر دنیا میں ایسے نظر آتے ہیں جو اِس قسم کی تعلیم دیتے ہیں کہ دنیا کمانی نہیں چاہیے، کارخانوں کو جاری نہیں کرنا چاہیے، تجارتوں میں مشغول نہیں ہونا چاہیے،

زمیندارہ کام کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے بلکہ اِن تمام کاموں کو چھوڑ کر صرف خدا تعالیٰ کی یاد اور اُس کی محبت میں اپنی عمر گزار دینی چاہیے۔ مگر ایسی جماعتیں ہزاروں اور لاکھوں سے آگے کبھی نہیں بڑھیں۔ کیونکہ وہ فطرتِ انسانی کے خلاف تعلیم دیتی ہیں اور اگر کوئی جماعت باوجود اِس تعلیم کے بڑھی ہے تو وہ اس تعلیم کو پس پُشت پھینک کر بڑھی ہے اِس پر عمل کر کے نہیں بڑھی۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ اُنہوں نے ایک شخص سے کہا پہلے اپنا مال لٹاؤ اور پھر میرے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے آؤ۔ یا کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے حواریوں سے یہ بات کہی کہ "اونٹ کا سُوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اِس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو"۔[1] یہ تعلیم ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام نے دی اور جس کا موجودہ اناجیل میں ذکر آتا ہے۔ اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ بے شک عیسائی بڑھے اور اُنہوں نے دنیا میں خوب ترقی کی لیکن کیا عیسائیوں کی ترقی اِس تعلیم پر عمل کرنے کے نتیجہ میں ہوئی یا اِس تعلیم کو ردّ کرنے اور اِس کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دینے کے نتیجہ میں ہوئی؟ ہر شخص جو ذرا بھی عقل و فہم سے کام لے سمجھ سکتا ہے کہ عیسائیوں کی ترقی اِس تعلیم کا نتیجہ نہیں بلکہ اِس تعلیم سے منہ پھیر لینے کا نتیجہ ہے۔ بے شک دنیا میں سب سے زیادہ مال آج عیسائیوں کے پاس ہے، دنیا میں سب سے زیادہ کارخانے آج عیسائیوں کے قبضہ میں ہیں، دنیا کی تجارتوں کا اکثر حصہ یورپین اقوام کے ہاتھ میں ہے۔ اِسی طرح زراعت پر ان کا قبضہ ہے، مختلف پیشوں اور فنون پر ان کا تسلط ہے۔ اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عیسائیت نے ترقی کی مگر حضرت مسیحؑ کی طرف جو تعلیم منسوب کی جاتی تھی اُسے توڑ کر اور اُس کی خلاف ورزی کر کے انہوں نے ترقی کی ہے اُس تعلیم پر عمل کر کے ترقی نہیں کی۔

(2) پھر بعض قومیں ایسی ہیں جو کہتی ہیں کہ مذہب کو دولت کمانے کے ذرائع سے کوئی واسطہ نہیں۔ دین اور مذہب عقیدہ سے تعلق رکھنے والی چیز ہے۔ مذہب کا اِس بات سے کیا تعلق ہے کہ ہم کیا کماتے ہیں، کس طرح کماتے ہیں اور کن ذرائع سے کماتے ہیں۔ ایسی جماعتوں نے بے شک دنیا میں ترقی کی مگر اُن کا مذہب ایک مُرجھائی ہوئی جھاڑی کی طرح رہ گیا۔ وہ جماعتیں بے شک دنیا میں بڑھیں اور اُنہوں نے خوب ترقی کی مگر اِس نظریہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ

صرف دنیا ہی دنیا ان کے پاس رہ گئی دین اور مذہب کے ساتھ اُن کا کوئی تعلق نہ رہا۔

(3) اِن دونوں اصول کے خلاف اسلام نے ایک اَور تعلیم بنی نوع انسان کے سامنے پیش کی ہے اور وہ یہ کہ اسلام کہتا ہے ہم دنیا کمانے سے تمہیں منع نہیں کرتے بلکہ قرآن کریم وہ کتاب ہے جس میں مال کا نام فضل اللہ رکھا گیا ہے[2] اور بتایا گیا ہے کہ مال و دولت کا میسر آنا بھی اللہ تعالیٰ کے فضلوں میں سے ایک فضل اور اُس کے انعامات میں سے ایک بہت بڑا انعام ہے۔ پس اسلام دنیا کمانے اور مال و دولت حاصل کرنے سے نہیں روکتا۔ اسلام کہتا ہے کہ بے شک تم دنیا کماؤ مگر کماؤ اسلام کے قواعد کے نیچے رہتے ہوئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اسلامی احکام سے الگ ہو کر دنیا کمانے میں مشغول ہو جاؤ۔ تم دنیا کما سکتے ہو مگر اسلامی قواعد کی پابندی اور ان کی اطاعت کرتے ہوئے۔ اگر ان احکام کی پابندی کرتے ہوئے تم دنیا کماؤ تو ہم تمہیں اِس سے روکتے نہیں۔ لیکن اگر تم اِن قواعد کو توڑ کر دنیا کماؤ تو ہم یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ تم مذہبی آدمی ہو۔ ایسی حالت میں تم مذہب کو چھوڑنے والے قرار پاؤ گے اور مذہب کی طرف منسوب ہونا تمہارے لیے جائز نہیں ہو گا۔

وہ ہدایتیں جو اسلام دنیا کمانے کے متعلق دیتا ہے یا مال و دولت اپنے پاس رکھنے والوں کے متعلق دیتا ہے اُن میں سے بعض تجارت اور صنعت کے ساتھ خاص طور پر تعلق رکھتی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو ہر ایسے شخص کے متعلق ہیں جس کے پاس کسی قسم کا مال ہو خواہ اُس نے کسی اَور ذریعہ سے ہی کیوں نہ کمایا ہو۔ اور چونکہ مَیں اِس وقت صرف تجارت اور صنعت کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں اِس لیے مَیں نے اِن دونوں باتوں کو جمع کر دیا ہے۔ وہ باتیں بھی جو خاص طور پر تجارت اور صنعت کے متعلق ہیں اور وہ باتیں بھی جو ہر اُس شخص کے متعلق ہیں جو کسی ذریعہ سے مال کمائے یا مال اُس کے پاس آجائے۔ وہ قواعد جو اسلام نے تجویز کیے ہیں اور جن کو پیش کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ صنعت و تجارت منع نہیں مگر بعض حدود کے اندر لوگوں کو رہنا چاہیے اگر وہ اسلامی حد بندی کے اندر ہیں اور اس کے لیے مفید اور نفع رساں وجود بنیں تو تجارت اور صنعت جائز ہے۔ ورنہ یہ ایک ایسی چیز ہو گی جو روکنے کے قابل ہو گی۔ سارے کے سارے اصول تو مَیں اِس وقت بیان نہیں کر سکتا۔ صرف چند موٹے موٹے

اصول جو اسلام نے بیان کیے ہیں اُن کو مَیں جماعت کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

پہلا قاعدہ قرآن کریم میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر مسلمان رہتے ہوئے لوگ مال کمانا چاہیں تو اُن کی حالت یہ ہونی چاہیے کہ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ[3] مومنوں کو بیع و شرا خدا تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرسکتے۔ پس مومن کہلانے والے بے شک تجارت کریں، وہ بے شک خرید و فروخت کریں مگر یہ چیزیں دین کے راستہ میں روک نہیں ہونی چاہئیں۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ کے ذکر کے راستہ میں تجارت اور بیع وغیرہ حائل نہیں ہونی چاہیے۔ اگر ایک شخص صنعت و حرفت کے ذریعہ مال کمانا چاہتا ہے تو اسلام کہتا ہے بے شک تم مال کماؤ اور بے شک صنعت و حرفت اختیار کرو مگر دیکھو اِس کے ساتھ ہی تمہیں پانچوں وقت نماز کے لیے مسجد میں آنا پڑے گا۔ یا اگر ایک شخص تجارت کرنا چاہے تو اسلام کہے گا بے شک تجارت کرو مگر تمہیں پانچ وقت روزانہ اپنی دکان بند کرکے مسجد میں آنا پڑے گا۔ اِسی طرح اگر تجارت اور صنعت و حرفت کرتے ہوئے روزوں کے ایام آجاتے ہیں تو تمہارا فرض ہے کہ تم روزے رکھو۔ یہ نہ کہو کہ تجارت یا صنعت و حرفت میں مشغول رہنے کی وجہ سے روزے رکھنے ہمارے لیے مشکل ہیں۔ اگر یہ چیزیں نماز کے رستہ میں روک بنتی ہیں۔ اگر یہ چیزیں روزوں کے رستہ میں روک بنتی ہیں۔ اگر یہ چیزیں اور کئی قسم کے دینی کاموں میں روک بنتی ہیں تو اُس وقت تمہارا فرض ہے کہ ان کاموں کو چھوڑ دو اور اپنے دین کو خراب ہونے سے محفوظ رکھو۔ لیکن اگر یہ چیزیں دین کے راستہ میں روک نہیں تو پھر بے شک دنیا کماؤ اسلام تمہیں اِس سے منع نہیں کرتا۔ اِسی طرح ذکر الٰہی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ پانچ نمازوں کے علاوہ اپنے اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر علیحدگی میں خدا تعالیٰ کو یاد کیا کرو، اُس کی حمد کرو، اُس کی تسبیح کرو، اُس کی بڑائی بیان کرو، اُس کی صفات پر غور کرو، اپنے نفس کو الٰہی احکام کا تابع کرنے کی کوشش کرو اور اپنے قلب کو ہر قسم کی کدورتوں اور ہر قسم کے میل کچیل سے صاف کرکے ایک ایسا مصفّٰی اور روشن آئینہ بن جاؤ جس میں خدا تعالیٰ کا چہرہ منعکس ہو جائے اور خدا کی صفات کا ظہور تمہارے ذریعہ سے ہونے لگے۔ اگر تم ایسا کرتے ہو تو پھر بے شک تم اچھے لوہار بنو، اچھے تاجر بنو، اچھے صنّاع بنو، اچھے کارخانہ دار بنو اور خوب مال کماؤ ہماری طرف سے

اس میں کسی قسم کی روک نہیں۔ کیونکہ تمہارے یہ کام ہمارے دین اور ہمارے ذکر میں حائل نہیں ہیں۔ پس پہلی شرط جس کو اسلام پیش کرتا ہے وہی ہے جس کا اِس آیت میں ذکر آتا ہے کہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ مومن بے شک تجارت بھی کرتے ہیں، خرید و فروخت بھی کرتے ہیں، صنعت و حرفت بھی کرتے ہیں مگر اِس اصل کو ہمیشہ مد نظر رکھتے ہیں کہ یہ چیزیں خدا تعالیٰ کے ذکر اور اُس کے دین کی مدد میں روک بن کر حائل نہ ہو جائیں۔

پس ایک مومن اور غیر مومن میں فرق یہ ہے کہ مومن بھی تجارت کرتا ہے اور غیر مومن بھی تجارت کرتا ہے، مومن بھی صنعت و حرفت اختیار کرتا ہے اور غیر مومن بھی صنعت و حرفت اختیار کرتا ہے مگر غیر مومن جب اِن کاموں میں مشغول ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس کی توجہ بالکل ہٹ جاتی ہے۔ لیکن جب ایک مومن یہ کام اختیار کرتا ہے تو یہ چیزیں خدا تعالیٰ کے ذکر میں روک نہیں بنتیں، اِن مشاغل کے باوجود اُس کی ذکر الٰہی کی عادت پھر بھی قائم رہتی ہے، نمازیں پھر بھی باقاعدگی سے ادا کرتا ہے، زکوٰۃ پھر بھی باشرح ادا کرتا ہے، روزے پھر بھی پوری احتیاط سے رکھتا ہے، حج پھر بھی استطاعت پر کرتا ہے۔ گویا دنیوی مشاغل دین کی خدمت کے راستہ میں روک نہیں بنتے۔ اور چونکہ دین کا پہلو مضبوط رہتا ہے اِس لیے اسلام کہتا ہے کہ ہمیں تمہارے دنیا کمانے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر مثلاً تبلیغ کا وقت آجائے اور یہ فیصلہ کیا جائے کہ جماعت کا ہر فرد تبلیغ کے لیے وقت دے اور اُس وقت کوئی شخص یہ کہے کہ مَیں تبلیغ کے لیے وقت کس طرح دے سکتا ہوں مَیں اگر وقت دوں تو میری دکان کا نقصان ہوتا ہے تو اسلام کہے گا یہ تجارت تمہارے لیے جائز نہیں۔ یا اگر کوئی کارخانہ دار کہے کہ مَیں کس طرح تبلیغ کے لیے باہر جاسکتا ہوں مَیں اگر باہر جاؤں تو کارخانے کا تمام کام درہم برہم ہو جائے گا تو اسلام کہے گا ایسا کارخانہ تمہارے لیے جائز نہیں ہے۔ پس مومن وہی ہیں کہ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ تجارت اور بیع اُن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہیں روکتی، دین کے کاموں میں یہ چیزیں حائل نہیں بنتیں بلکہ جب بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز بلند ہوتی ہے ایک مومن تاجر، ایک مومن کارخانہ دار اور ایک

مومن صنّاع اپنی تجارت اور اپنے کارخانہ اور اپنی صنعت کو چھوڑ کر اُس آواز کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔

دوسری شرط اسلام نے یہ مقرر کی ہے کہ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ 4 یعنی وہ لوگ خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعت میں سے نہیں کہلا سکتے جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں۔ جو شخص مال کماتا ہے اور اُس کو ذریعہ بنالیتا ہے سونا اور چاندی جمع کرنے کا، بخل کا مرض اُس میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے، اِدھر روپیہ کماتا ہے اور اُدھر اُس کو غُلّق 5 میں جمع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسا شخص مومن نہیں۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ مومن بھی اپنی تجارتوں کو بڑھاتے ہیں۔ اگر وہ اپنی تجارتوں کو ترقی نہیں دیں گے تو اُن کے پاس روپیہ کس طرح آئے گا۔ روپیہ کمانے کے لیے ضروری ہے کہ تجارت اور صنعت کو فروغ دیا جائے لیکن اگر کسی تجارت یا صنعت کا یہ نتیجہ نکلے کہ انسان روپیہ جمع کرنا شروع کر دے تو اسلام کے لحاظ سے وہ تجارت اور وہ صنعت بالکل ناجائز ہو گی۔ وہی تجارت اور وہی صنعت جائز ہے جس کے نتیجہ میں روپیہ جمع نہ کیا جائے۔

تیسری چیز جس پر خصوصیت سے اسلام نے زور دیا ہے اور جس کی طرف قرآن کریم میں بارہا توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ روپیہ بے شک کماؤ مگر جو کچھ کماؤ اُس پر زکوٰۃ ادا کرو۔ 6 اسلام نے بے شک روپیہ جمع کرنا ناجائز قرار دیا ہے مگر روپیہ کمانا منع نہیں کیا۔ پس فرماتا ہے اگر تم روپیہ کماتے ہو اور کچھ روپیہ اپنی ضروریات کے لیے عارضی طور پر جمع کر لیتے ہو جس پر ایک سال گزر جاتا ہے تو اُس روپیہ پر زکوٰۃ ادا کیا کرو۔

چوتھی بات یہ ہے کہ علاوہ زکوٰۃ کے اسلام یہ بھی حکم دیتا ہے کہ سَرّاء اور ضَرّاء دونوں حالتوں میں اِنفاق کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی یہ صفت بیان فرماتا ہے کہ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ 7 مومن کشائش کی حالت میں بھی اور تنگی کی حالت میں بھی غرباء و مساکین کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ہر انسان پر خواہ وہ کس قدر مالدار ہو بعض تنگی کی حالتیں آتی ہیں اور بعض حالتیں کشائشِ رزق کے اعتبار سے اچھی ہوتی ہیں۔ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ مومن کا فرض ہے وہ اِن دونوں حالتوں میں خدا تعالیٰ کے

رستہ میں غرباء و مساکین پر خرچ کرتا رہے۔ ضَرّاء کے یہ معنے نہیں کہ انسان کے پاس کچھ نہ ہو تب بھی وہ خرچ کرے۔ بلکہ ضَرّاء کا لفظ استعمال کرنے کی اصل غرض یہ ہے کہ بڑے بڑے تاجروں پر بھی بعض دفعہ تنگی کے اوقات آجاتے ہیں۔ دس بیس لاکھ کا کارخانہ ہوتا ہے مگر کسی وجہ سے مال کا فروخت ہونا رُک جاتا ہے۔ اُس وقت لوگ کہتے ہیں ہم پر بڑی مصیبت آگئی ہے اب ہم کیا کریں۔ پہلی سی حالت ہماری نہیں رہی ہم بڑی تنگی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب ایسی حالتیں آئیں اُس وقت بھی تمہارا فرض ہے کہ تم اپنے مال خرچ کرو۔ کیونکہ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ ایک دس لاکھ روپیہ کے مالک کارخانہ دار کا کام خراب ہو گیا ہے تب بھی چار پانچ لاکھ روپیہ اُس کے گھر میں موجود ہو گا۔ پس اسے سمجھنا چاہیے کہ اگر دین کے لیے وہ شخص قربانی کرتا ہے جس کی آمد پانچ دس یا پندرہ لاکھ روپے ہے تو اُس کے لیے دین کی خاطر قربانی کرنے میں کونسی مشکل درپیش ہے جب کہ اُس کے قبضہ میں دیوالیہ ہونے کے باوجود چار پانچ لاکھ روپیہ مال ہے۔ پس اِس آیت کے صرف یہ معنے نہیں ہیں کہ مومن غربت اور امارت دونوں حالتوں میں خرچ کرتے ہیں بلکہ یہ مطلب بھی ہے کہ امیر پر بھی بعض دفعہ تنگی کی گھڑیاں آجاتی ہیں۔ پس اُن تنگی کی گھڑیوں کے متعلق اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ تم اُس حالت میں بھی غرباء و مساکین پر اپنا روپیہ خرچ کیا کرو اور یہ نہ کیا کرو کہ ہم کس طرح خرچ کریں ہماری آجکل بِکری کم ہے۔ جب وہ شخص جس کے پاس تمہارے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں دین کی خاطر قربانی کرتا رہتا ہے تو تمہارے پاس تو پھر بھی لاکھ دو لاکھ یا چار لاکھ روپے موجود ہیں تمہارے لیے ہچکچاہٹ کی کوئی وجہ نہیں۔

پانچویں ہدایت جو اسلام نے اِس سلسلہ میں دی ہے اور جو تمام لوگوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اُن لوگوں سے بھی جو تجارت اور صنعت و حرفت کرنے والے ہیں اور اُن سے بھی جن کے پاس کسی اَور ذریعہ سے مال آتا ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى[8] جو شخص بھی کوئی کام کرتا ہو اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیکی اور تقوٰی کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرے۔ پس وہی تجارت اور وہی صنعت مفید ہو سکتی ہے جو بِرّ اور تقوٰی پر دوسروں سے تعاون کرتی ہے۔ اس کی تشریح اِنْشَاءَ اللّٰہُ آگے چل کر کروں گا۔

چھٹی بات یہ ہے کہ ایک عام اصل جو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے اور جس کو مد نظر رکھنا ہر وقت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ **9** یعنی جس کام میں بھی تم لگے ہوئے ہو تمہارے سامنے صرف ایک ہی مقصد رہنا چاہیے اور وہ یہ کہ دین کے غلبہ اور ترقی کے لیے تم نے کوشش کرنی ہے۔ پس اگر کوئی شخص تجارت کرتا ہے یا صنعت و حرفت اختیار کرتا ہے تو اُسے ہر وقت یہ اصول اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ اِس اصول کے ماتحت اگر کوئی شخص اپنی تجارت یا اپنی صنعت کو اسلام کی شوکت اور اُس کے غلبہ کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ دنیا نہیں کماتا بلکہ دین کماتا ہے۔ خواہ وہ اپنی تجارت اور صنعت کے ذریعہ لاکھوں روپے کیوں نہ کما رہا ہو۔

ساتواں حکم قرآن کریم یہ دیتا ہے کہ ماپ تول اور وزن درست ہونا چاہیے۔ **10** تاجروں میں بالعموم یہ خرابی پائی جاتی ہے کہ جائز طور پر مال کمانے کے علاوہ وہ ماپ اور تول میں ضرور کچھ نہ کچھ کمی کر دیتے ہیں۔ کبھی بٹے چھوٹے رکھتے ہیں، کبھی ڈنڈی مار دیتے ہیں اور اس طرح کوشش کرتے ہیں کہ وزن میں کچھ نہ کچھ کمی کر لیں۔

آٹھواں حکم اسلام نے یہ دیا ہے کہ دھوکا اور فریب اور بناوٹ جائز نہیں۔ **11** بے شک تم تجارت کرو مگر تجارت میں یہ چیزیں نہیں ہونی چاہییں۔

نواں حکم اسلام نے یہ دیا ہے کہ تم جو مال بناؤ یا دوسروں سے خریدو اُسے روک کر نہ رکھ لیا کرو کہ جب مال مہنگا ہو گیا اُس وقت ہم فروخت کریں گے۔ **12** اگر کوئی تاجر مال کو اس لیے روک کر رکھ لیتا ہے کہ جب مال مہنگا ہو گیا اُس وقت وہ اسے فروخت کر کے زیادہ نفع کمائے گا تو اسلام کے رو سے وہ ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔

دسواں حکم یہ دیتا ہے کہ تم مزدور کو اُس کا پورا حق دو اور پھر وہ حق اپنے وقت پر ادا کرو۔ **13** گویا مزدور کے متعلق دو حکم اسلام دیتا ہے۔ اوّل یہ کہ اُس کی تنخواہ کام کے مطابق مقرر کرو۔ دوسرے یہ نہ کرو کہ وقت پر اُس کی مزدوری ادا کرنے میں لیت و لعل سے کام لینے لگ جاؤ۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ بِالعموم لوگ اِس حکم کی پروا نہیں کرتے۔ وہ مزدور سے پورا کام لیتے ہیں لیکن جب اُس کی تنخواہ یا اُجرت کی ادائیگی کا وقت آتا ہے تو اس میں تساہل سے

کام لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اُن کے دروازے پر بار بار آتا اور اپنی تنخواہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ اِس پر بھی وہ اُسے اُس کا حق ادا نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں آج نہیں کل آنا۔ کل آتا ہے تو کہتے ہیں پرسوں آنا۔ اِس طرح بار بار اُسے اپنے پاس آنے پر مجبور کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد بھی کسی دن اُسے ایک روپیہ دے دیتے ہیں، کسی دن دو روپے دے دیتے ہیں، کسی دن چار روپے دے دیتے ہیں۔ گویا اُسے خراب کر کے اُس کی مزدوری دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی مزدوری سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اگر اُسے اکٹھی اُجرت مل جاتی تو وہ اپنی ضروریات اکٹھی خرید لیتا اور اِس طرح اُسے فائدہ رہتا۔ لیکن چونکہ اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اجرت دی جاتی ہے اِس لیے اُسے تکلیف الگ اٹھانی پڑتی ہے اور پھر اکٹھی اجرت ملنے سے جو فائدہ اسے پہنچ سکتا تھا وہ بھی نہیں پہنچتا۔ پس اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ مزدور کے ساتھ اِس قسم کا سلوک نہ کیا جائے۔ اُسے اُس کا حق پورا ادا کرو اور پھر عین وقت پر ادا کرو۔ یہ نہ ہو کہ وہ اپنے حق کے لیے تمہارے دروازے کھٹکھٹاتا رہے اور تم اُسے بار بار ٹالتے رہو۔

گیارھواں حکم اسلام یہ دیتا ہے کہ بیشک تم مال کماؤ لیکن دیکھو اِس کے نتیجے میں تمہارے اندر کِبر اور خیلاء پیدا نہ ہو۔ اگر کِبر اور خیلاء تمہارے اندر پیدا ہو جائے تو پھر مال کمانا تمہارے لیے جائز نہیں ہو گا۔

بارھواں حکم اسلام یہ دیتا ہے کہ مالدار شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی موت کے وقت رشتہ داروں کو یہ وصیت کر جائے کہ وہ اُس کے مال کا کچھ حصہ خدا تعالیٰ کی راہ میں اُس کے غریب بندوں کے فائدہ اور ترقی کے لیے خرچ کر دیں۔ **14**

یہ بارہ موٹے موٹے حکم ہیں جو قرآن اور احادیث سے معلوم ہوتے ہیں۔ پس صنعت و حرفت اور تجارت کو روکا نہیں جا سکتا بشرطیکہ وہ شرائط پوری ہوں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

مَیں نے بتایا ہے کہ اسلام تجارت اور صنعت و حرفت سے منع نہیں کرتا۔ اگر اسلام منع کرتا تو اس کے معنٰی یہ ہوتے کہ اسلام اس امر کو روا رکھتا ہے کہ دنیا کا ایک حصہ تو اسلام میں داخل ہو لیکن دوسرا حصہ بے شک داخل نہ ہو۔ مثلاً جہاز رانی دنیا کی تجارت کا

ایک اہم ترین شعبہ ہے۔ اگر جہاز بنانے اور جہاز چلانے اسلام کے نزدیک منع ہوتے تو پھر دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہوتی۔ یا تو سفر منقطع ہو جاتے اور دنیا کی تہذیب اور اُس کے تمدن پر ایک کاری ضرب پڑتی اور یا پھر اِس بات کو تسلیم کرنا پڑتا کہ جو لوگ جہاز بناتے اور جہاز چلاتے ہیں وہ بے شک مسلمان نہ ہوں ہندو یا عیسائی یا سکھ ہی رہیں کیونکہ اگر وہ اسلام میں داخل ہوئے تو اُنہیں اِس کام سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ مگر یہ بات بھی عقل کے خلاف اور دیدہ دانستہ دنیا کے ایک طبقہ کو اسلام سے محروم رکھنا ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ یا مثلاً کان کنی ایک ایسی چیز ہے جس سے حکومت کو بہت بڑی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ اگر اسلام روپیہ کمانے سے بنی نوع انسان کو منع کرتا ہے تو وہ یہ حکم دے دیتا کہ تم نے کان کنی نہیں کرنی۔ کیونکہ اگر کان کنی کرو گے تو تمہیں روپیہ حاصل ہو گا۔ اور یا پھر یہ کہا جاتا کہ دنیا میں جس قدر کانوں کے مالک ہیں وہ بے شک مسلمان نہ ہوں۔ اور یا پھر یہ حکم دیا جاتا کہ کانوں کا کھودنا ہی بند کر دیا جائے تا کہ دین کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ یا مثلاً غیر ملکوں سے مال کا لانا ہے یہ ایک بہت بڑی فائدہ بخش تجارت ہے اور کروڑوں روپیہ اِس تجارت کے ذریعہ کمایا جاسکتا ہے۔ مگر یہ کام بڑے بڑے تاجر ہی کر سکتے ہیں۔ دس بیس چالیس یا پچاس ہزار روپیہ سرمایہ بھی اگر کسی شخص کے پاس ہو تو وہ یہ کام نہیں کر سکتا اور نہ اتنے معمولی سرمایہ سے وہ انگلستان سے یا امریکہ سے یا فرانس سے یا چین سے یا جاپان سے بڑی مقدار میں مال منگوا سکتا ہے۔ کیونکہ غیر ملکوں سے تمام مال جہازوں کے ذریعہ آتا ہے اور کوئی معمولی تاجر اِس قسم کی تجارت میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ لازماً ایسے ہی تاجر انگلستان سے مال منگوائیں گے یا امریکہ سے مال منگوائیں گے یا فرانس اور جاپان وغیرہ سے مال منگوائیں گے یا جرمنی سے مال منگوائیں گے جن کے پاس دس بیس بلکہ چالیس پچاس لاکھ روپیہ ہو گا۔ بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر ایسے ہی تاجر اِس میں حصہ لے سکتے ہیں جن کے پاس کروڑ کروڑ روپیہ ہو۔ پس اگر اسلام روپیہ کمانے کی اجازت نہ دیتا تو دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں۔ یا تو یہ اعلان کر دیا جاتا کہ اس قسم کی تجارت کرنے والے بے شک مسلمان نہ ہوں۔ وہ تجارتیں کرتے رہیں مگر اسلام قبول نہ کریں کیونکہ اِسلام اس قسم کی تجارتوں سے منع کرتا ہے۔ اور یا پھر یہ کہہ دیا جاتا کہ لوگ مسلمان بے شک ہو جائیں مگر

اپنی تجارتیں بند کر دیں۔ آئندہ وہ کوئی مال ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں لے جاسکتے کیونکہ ہمارے مذہب میں یہ بات ناجائز ہے۔ لیکن یہ دونوں باتیں عقل کے خلاف ہیں۔ نہ تجارتوں کو بند کیا جاسکتا ہے اور نہ اِن تجارتوں میں حصہ لینے والوں کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بے شک ہندو یا سکھ یا عیسائی ہی رہیں اسلام میں داخل نہ ہوں۔ بہر حال دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کیے بغیر ہمارے لیے کوئی چارہ نہیں ہو گا۔ یا تو ہم سب تجارتوں کو بند کر کے دنیا کے تمدن اور اس کی تہذیب کو برباد کر دیں اور لوگوں پر ان کی زندگیاں وبالِ جان بنا دیں اور یا پھر یہ کہہ دیں کہ ان تجارتوں میں حصہ لینے والوں کا مسلمان ہونا ناجائز ہے۔ اگر کارخانوں کا کوئی مالک ہمارے پاس مسلمان ہونے کے لیے آتا ہے تو یا تو اُسے یہ کہنا پڑے گا کہ تم اپنے کارخانے کو بند کر دو اور یا پھر اُسے یہ کہنا پڑے گا کہ چونکہ کارخانے کو بند کرنا دنیا کی مشکلات کو بڑھا دیتا ہے۔ اِس لیے بے شک تم مسلمان نہ بنو ہندو یا سکھ یا عیسائی ہی رہو۔ یا موٹر کے کارخانے کی مثال لے لو۔ ایک ایک موٹر، چار چار، دس دس، بیس بیس ہزار روپے میں آتا ہے اور موٹر کا کارخانہ وہی شخص کھول سکتا ہے جس کے پاس دس بیس کروڑ روپیہ موجود ہو۔ اگر اسلام دنیا کمانے کی اجازت نہ دیتا اور موٹروں کے کارخانہ کا کوئی مالک ہمارے پاس اسلام قبول کرنے کے لیے آتا تو یا تو ہم اُسے یہ کہتے کہ تم مسلمان نہ بنو۔ کیونکہ اگر تم مسلمان بنے تو دنیا کو نقصان پہنچے گا اور تمہیں اپنا کارخانہ بند کرنا پڑے گا۔ تم بے شک عیسائی ہی رہو یا سکھ ہی رہو یا ہندو ہی رہو اسلام کو قبول مت کرو۔ اور یا پھر ہم اُسے یہ کہتے کہ تم آئندہ موٹریں بنانی چھوڑ دو اور کارخانہ بند کر دو۔ مگر یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جو ناجائز ہیں۔ نہ اسلام ایک کو جائز قرار دیتا ہے اور نہ دوسری صورت کو درست تسلیم کرتا ہے۔ اِن مشکلات کو اپنے سامنے دیکھتے ہوئے ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ صنعت و حرفت اور تجارت کو روکا نہیں جاسکتا اور دوسری طرف قبولِ اسلام میں بھی کسی قسم کی دیوار کو حائل نہیں کیا جاسکتا۔ اِس لیے ضروری ہے کہ اِن دونوں حالتوں کے درمیان کوئی راستہ تلاش کیا جائے جس سے یہ دونوں مشکلات دور ہو جائیں۔ نہ دنیا کے تمدن اور اِس کی تہذیب کو نقصان پہنچے اور نہ اسلام میں داخل ہونے سے کسی شخص کو روکا جاسکے۔ اور جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اسلام نے اِسی نظریے کے ماتحت بعض قواعد

پیش کیے ہیں اور بتایا ہے کہ ہم لوگوں کو دنیا کمانے سے منع نہیں کر سکتے۔ وہ بیشک تجارت کریں، وہ بے شک صنعت و حرفت اختیار کریں مگر ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ بعض قواعد کی پابندی اپنے اوپر لازم کر لیں تاکہ دین کو بھی کوئی نقصان نہ ہو اور دنیا کی مشکلات میں بھی کوئی اضافہ نہ ہو۔ چنانچہ اُن قواعد کو مَیں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ یہ قواعد ایسے ہیں جن پر عمل کرنے سے باوجود تجارت اور صنعت کا کام کرنے کے وہ خرابیاں پیدا نہیں ہوتیں جو تجارتوں اور صنعت و حرفت کے کاموں سے دنیا میں عام طور پر پیدا ہوتی ہیں۔

اب مَیں تفصیل سے اوپر کی بارہ باتوں کو بیان کرتا ہوں۔

پہلی چیز جس کا مَیں نے ذکر کیا تھا وہ یہ تھی کہ اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ تجارت اور صنعت ذکرِ الٰہی میں روک نہیں ہونی چاہیے۔ مَیں نے اِس کی تشریح بھی کر دی تھی کہ مثلاً جہاد کا وقت آ جاتا ہے یا موجودہ زمانہ کے لحاظ سے تبلیغ پر زور دینے کا وقت آ جاتا ہے اور ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو باہر بھیجیں تاکہ وہ دوسروں کو احمدیت میں داخل کر سکیں۔ ایسے موقع پر اگر کوئی کارخانہ دار یا کوئی تاجر یہ کہتا ہے کہ مَیں تبلیغ کے لیے نہیں جاسکتا کیونکہ اگر مَیں جاؤں تو میری تجارت یا میرے کارخانے کو نقصان پہنچے گا تو اُسے سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کا کارخانہ اور اُس کی تجارت اسلام کے منشاء کے مطابق نہیں بلکہ یقیناً اسلام کے خلاف ہے اور وہ اپنے لیے جائز کمائی نہیں کر رہا بلکہ ناجائز اور حرام مال کما رہا ہے۔ اسلام ایسی ہی تجارت اور ایسے ہی کارخانہ اور ایسی ہی صنعت کی اجازت دیتا ہے جو خدا تعالیٰ کے ذکر اور اُس کے دین کے کام میں روک بن کر کھڑی نہ ہو جائے۔ اسلام کے نزدیک انسان مال بے شک کما سکتا ہے مگر اُسی صورت میں جب وہ خدا کو اور خدا کے دین کو دنیا پر مقدم رکھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کس طرح ایک چھوٹے سے فقرہ میں اسلام کے اِس قیمتی اصل کو بیان فرما دیا ہے کہ "مَیں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا"۔15 دنیا کمانے کے متعلق بھی یہ ایک نہایت ہی قیمتی اصل ہے جس کو اپنے سامنے رکھ کر ہر شخص اپنے متعلق یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ جائز رنگ میں دنیا کما رہا ہے یا ناجائز رنگ میں۔ اگر کوئی شخص دین کو دنیا پر مقدم رکھتا ہے تو اُسے سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کی دنیا، دنیا نہیں بلکہ اِس تقدم کی وجہ سے اُس کی دنیا بھی

دین بن گئی ہے۔ اِس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی ملازم جو اپنے آقا کے حکم کے مطابق کام کرنے کا عادی ہو۔ لازماً اُسی قسم کے کام کرے گا جس قسم کے کام کرنے کا اُس کے آقا کی طرف سے اُس کو حکم ملے۔ فرض کرو ایک شخص بخیل اور کنجوس ہے لیکن اُس کا آقا رحم دل ہے اور وہ غریبوں سے حُسنِ سلوک کرنے کا عادی ہے تو ایسا شخص خواہ بخیل اور کنجوس ہی کیوں نہ ہو جب وہ رحم دل اور سخی آقا کے ماتحت کام کرے گا اور آقا اُسے کہے گا کہ وہ بھی اپنے مال میں سے غریبوں کا حق ادا کرے اور وہ اِس حکم کی تعمیل میں غریبوں کی مدد کرے گا تو لازماً اُسے اپنے آقا کی خوشنودی حاصل ہوگی اور وہ بھی آہستہ آہستہ اپنے آقا کا ہم رنگ ہو جائے گا۔ اِسی طرح جو شخص دنیا کماتا ہے لیکن پھر اپنے اموال کو خدا تعالیٰ کے احکام کے تابع کر دیتا ہے تو اُس کی دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔ کیونکہ اُس نے وہ سب کچھ کیا جس کے کرنے کا اُسے خدا نے حکم دیا تھا۔ پس اُس کا مال کمانا دنیا نہ رہا بلکہ دین کا ایک حصہ بن گیا۔

دوسری ہدایت اسلام نے یہ دی ہے کہ روپیہ جمع نہ کیا جائے۔ یہ ہدایت بھی ایسی ہے جس کی طرف خاص طور پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اِس ہدایت کے یہ معنے نہیں ہیں کہ کسی کے گھر روپیہ نہ ہو۔ وہ روپیہ جس کا رکھنا کسی خاص غرض کے لیے ضروری ہو مثلاً کام کے نقصان کو پورا کرنے کے لیے یا مکان وغیرہ کے لیے یا روزانہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے تو ایسا روپیہ ہر شخص اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ پس روپیہ جمع نہ کرنے کے معنے یہ نہیں کہ کسی قسم کا روپیہ بھی انسان کے پاس جمع نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اسلامی ہدایت کے ماتحت اِتنا روپیہ انسان اپنے پاس رکھ سکتا ہے جو اُس کے کاموں کے لیے ضروری ہو۔ مثلاً ایک شخص نے کارخانہ کھولا ہوا ہے اُسے کارخانہ کے لیے کبھی لوہا خریدنا پڑتا ہے، کبھی کوئلہ خریدنا پڑتا ہے، کبھی مٹی کا تیل خریدنا پڑتا ہے، کبھی آٹے یا سُوجی بنانے کے لیے اسے گیہوں خریدنا پڑتا ہے۔ یا اگر بوٹ کا کارخانہ اُس نے جاری کیا ہوا ہو تو اُسے مشینیں خریدنی پڑتی ہیں، کیل خریدنے پڑتے ہیں، چمڑا خریدنا پڑتا ہے اور پھر بعض دفعہ کارخانوں میں کام کرتے کرتے مشینوں کے پُرزے ٹوٹ جاتے ہیں، بعض دفعہ کوئی مشین ہی ناکارہ ہو جاتی ہے اور اُس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ اَور مشین یا مشین کے اَور پرزے خریدے جائیں۔ اِن

تمام کاموں کے لیے جب تک روپیہ پاس نہ ہو کوئی کارخانہ دار اپنے کارخانے کو چلا نہیں سکتا۔ اسلام کے نزدیک اِس قسم کے کام کو چلانے کے لیے جتنے روپیہ کی ضرورت ہو وہ انسان اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ یا مثلاً ایک شخص نے دو تین سال تک اپنے کسی بچہ کی شادی کرنی ہے اور روپیہ اُس کے پاس نہیں اِس ضرورت کے لیے اگر وہ روپیہ کو پس انداز کرنا شروع کر دیتا ہے یا مکان بنانے کے لیے روپیہ جمع کرنا شروع کر دیتا ہے یا کسی اَور ایسی ہی ضرورت کے لیے روپیہ جمع کرنا شروع کر دیتا ہے جس کے لیے اُس کی روزانہ کی آمد کافی نہیں ہوسکتی تو یہ اسلام کے خلاف نہیں ہوگا اور نہ یہ اُس رنگ میں روپیہ کا جمع کرنا کہلائے گا جس رنگ میں روپیہ جمع کرنا اسلام نے منع قرار دیا ہے۔ یہ صرف بعد میں آنے والے ضروری اخراجات کو مہیا کرنے کی ایک جائز صورت ہوگی۔ یا دوسرے الفاظ میں یُوں کہہ لو کہ بعد میں اُس نے جو کچھ خرچ کرنا ہے اُس کے لیے یہ اُس کی تیاری ہے۔ پس چونکہ یہ روپیہ محض جمع رکھنے کے لیے نہیں بلکہ کسی دوسرے وقت خرچ کرنے کے لیے ہے اِس لیے اِس قسم کا روپیہ پس انداز کرنا اسلام کے رو سے بالکل جائز ہوگا۔ ہاں جن لوگوں کے پاس ضرورت سے زائد روپیہ ہوتا ہے اور وہ اُس روپیہ کو جمع کر دیتے ہیں تو اسلام اِس کی اجازت نہیں دیتا۔ جیسے کئی لوگ ضرورت سے زائد روپیہ بنکوں میں جمع کرا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ہم نے بنک میں روپیہ جمع نہ کیا تو گھر میں ہی خرچ ہو جائے گا۔ یا بعض لوگ چوری چھپے اِس لیے روپیہ جمع کرتے رہتے ہیں کہ لوگوں کو پتہ نہ لگے کہ ان کے پاس مال ہے۔ اِس قسم کا روپیہ جمع رکھنا اسلامی احکام کے ماتحت ناجائز ہے۔ اسلام کے نزدیک اگر ایک شخص دس لاکھ روپیہ سے ایک کارخانہ جاری کر دیتا ہے تو یہ بالکل جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص دس ہزار روپیہ غُلّق میں بند کر کے رکھ دیتا ہے تو یہ ناجائز ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک شخص دس لاکھ روپیہ کسی کارخانے پر لگاتا ہے تو اُسے کئی ہزار روپیہ مشینوں کے خریدنے پر صَرف کرنا پڑتا ہے۔ پھر ان مشینوں سے کام لینے والے مستریوں کی اُسے ضرورت ہوتی ہے، فٹروں کی اسے ضرورت ہوتی ہے، مزدوروں کی اُسے ضرورت ہوتی ہے اور اِس طرح سینکڑوں لوگوں کے لیے روزگار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح جب کوئی کارخانہ جاری کیا جاتا ہے تو اُس میں کچھ لوگوں کو افسر مقرر کرنا پڑتا ہے، کچھ ماتحت ہوتے ہیں، کچھ قلّی

ہوتے ہیں، کچھ نگران ہوتے ہیں۔ اِس طرح دو دو سو، چار چار سو، پانچ پانچ سو بلکہ ہزار ہزار آدمیوں کے لیے روزگار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور بڑے بڑے کارخانوں میں تو بعض دفعہ بیس بیس ہزار آدمی ایک وقت میں کام کر رہے ہوتے ہیں۔ اِس طرح اُس کا روپیہ بند نہیں رہتا بلکہ بنی نوع انسان کے کام آتا رہتا ہے۔ یا اگر کوئی شخص اپنے روپیہ سے تجارت کرتا ہے تب بھی وہ لوگوں کے کام آتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص دس ہزار روپیہ بند کر کے رکھ دیتا ہے تو چونکہ لوگ اُس روپیہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اِس لیے اسلام کے نزدیک اِس قسم کا روپیہ جمع رکھنا ناجائز ہوگا۔ پس گو روپیہ کم ہو مگر اُس کا جمع کرنا ناجائز ہے اور گو روپیہ زیادہ ہو مگر اُس کو کام میں لگانا جائز ہے کیونکہ روپیہ کو کام پر لگانے سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔

تیسرا حکم اسلام کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ ہر شخص جس کے پاس روپیہ جمع ہو وہ اپنے مال کی دیانتداری سے زکوٰۃ ادا کرے۔ اگر کوئی شخص باقاعدگی سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو یہ اِس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ دنیا کو دین کی خاطر کماتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص زکوٰۃ نہیں دیتا تو یہ اِس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ دنیا محض دنیا کی خاطر کما رہا ہے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا شوق اُس کے دل میں نہیں۔ اگر واقع میں اُس کے دل میں خدا تعالیٰ کے قرب اور اُس کی محبت کو جذب کرنے کا احساس ہوتا، اگر دنیا کو وہ دین کی خاطر کما رہا ہوتا تو اُس کا فرض تھا کہ وہ اپنے مال میں سے خدا تعالیٰ کا حق ادا کرتا اور پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کرتا۔ لیکن جب وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو یہ اِس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ شیطان کا تابع ہے خدا تعالیٰ کے احکام کا تابع نہیں ہے۔

زکوٰۃ کے معاملہ میں مَیں دیکھتا ہوں کہ تاجروں میں بہت بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے۔ پرانے زمانہ میں تو غیر احمدی تاجروں نے بالکل اندھیر مچا رکھا تھا۔ حضرت خلیفہ اوّل سنایا کرتے تھے کہ بھیرہ میں ایک بہت بڑا مسلمان تاجر تھا جو ہر سال باقاعدگی سے زکوٰۃ دیا کرتا تھا مگر اُس کی زکوٰۃ دینے کا طریق یہ تھا کہ وہ زکوٰۃ کا تمام روپیہ ایک گھڑے میں بند کر دیتا تھا۔ فرض کرو اُس کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہوتا جس میں سے اڑھائی ہزار روپیہ زکوٰۃ دینا اس پر فرض ہوتا تو وہ اڑھائی ہزار روپیہ ایک گھڑے میں ڈال دیتا اور اُن روپوں کے اوپر

دو چار سیر گیہوں ڈال کر کسی مُلّا کو بلاتا اور اُس کی خوب پُر تکلّف دعوت کرتا۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو جاتا تو اُسے کہتا مولوی صاحب! اِس گھڑے میں جو کچھ ہے وہ مَیں آپ کی مِلک کرتا ہوں۔ لوگوں کو بھی اُس کے اِس طریق کا علم تھا اور وہ جانتے تھے کہ گھڑے میں اس نے زکوٰۃ کا روپیہ رکھا ہوا ہے جو اڑھائی یا تین ہزار روپیہ ہے۔ مگر اُسے کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ خود ہی کہتا کہ آپ اِس گھڑے کو اُٹھا کر کہاں لے جائیں گے اِسے میرے پاس ہی بیچ ڈالیے۔ بتائیے آپ اِس گھڑے کی کیا قیمت لیں گے؟ مُلّا ڈرتے ڈرتے کہ نہ معلوم کس حد تک سَودا ہو پانچ دس یا پندرہ روپے بتا دیتا تھا اور وہ جھٹ اُتنے روپے نکال کر اُس کے سامنے رکھ دیتا اور کہتا کہ مولوی صاحب! جو کچھ اِس میں ہے وہ آپ نے پندرہ روپے میں مجھے دے دیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ گھڑا اُٹھا کر اندر رکھ لیتا اور سمجھ لیتا کہ اُس کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہو گئی ہے۔ تو دنیا میں اِس قسم کی دھوکا بازی کرنے والے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے احکام سے تمسخر کرتے ہیں اور پھر یہ سمجھتے ہیں کہ اُن پر خدا تعالیٰ کی طرف سے جو فرض عائد ہوتا تھا اُس کو انہوں نے ادا کر دیا ہے۔

ہماری جماعت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اِس قسم کے لوگ تو نہیں مگر ابھی ہماری جماعت میں لوگ احتیاط سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ بالخصوص تاجروں میں زکوٰۃ کے معاملے میں بہت بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے حالانکہ زکوٰۃ کے متعلق اسلامی شریعت میں اتنے شدید احکام پائے جاتے ہیں کہ صحابہؓ کا فیصلہ یہ ہے کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں رہتا۔ وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ تم جو کچھ مال کماتے ہو اُس میں دوسرے لوگوں کا بھی حصہ ہے۔ کیونکہ مال جن چیزوں سے کمایا جاتا ہے وہ ساری کی ساری ایسی ہیں جو کسی خاص شخص کی مِلک نہیں بلکہ ساری دنیا اُن پر حق رکھتی ہے۔ مثلاً تجارت کو لے لو، تجارت لوہے کی ہوتی ہے یا لکڑی کی ہوتی ہے یا اَور بعض چیزوں کی ہوتی ہے۔ مگر کیا لوہا اور لکڑی تاجر آپ بناتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے لکڑی بنائی ہے سارے انسانوں کے لیے، اللہ تعالیٰ نے کوئلہ بنایا ہے سارے انسانوں کے لیے، اللہ تعالیٰ نے مٹی کا تیل بنایا ہے سارے انسانوں کے لیے، اللہ تعالیٰ نے کپاس بنائی ہے سارے انسانوں کے لیے، اللہ تعالیٰ نے

گندم بنائی ہے سارے انسانوں کے لیے۔ مگر جب ایک شخص اِن چیزوں سے خاص طور پر نفع کماتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اب تمہارا فرض ہے کہ تم مالک کو اُس کا ٹیکس ادا کرو کیونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کی ساری دنیا مالک ہے۔ پس جس طرح مزارع اپنے مالک کو ٹیکس ادا کرتا ہے اُسی طرح اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو حکم دیتا ہے کہ وہ بھی ٹیکس ادا کرے۔ وہ فرماتا ہے چونکہ تم کسان بنے اور تم نے اِس زمین میں زراعت کی جو ساری دنیا کی ہے اِس لیے اب تمہارا فرض ہے کہ تم مالک کو اُس کا حق دو۔ چنانچہ اڑھائی فیصدی ٹیکس اُس سے وصول کیا جاتا ہے اور پھر جو نظام مقرر ہوتا ہے وہ اِس ٹیکس کو غرباء کی مدد کے لیے خرچ کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ ٹیکس ادا نہیں کرتا یا ادا کرتا ہے مگر پورے طور پر ادا نہیں کرتا، کسی قدر حصہ اپنے پاس رکھ لیتا ہے تو اسلامی نقطہ نگاہ سے وہ ایک چور کی حیثیت رکھتا ہے۔ بظاہر ایک شخص کپڑے کا تاجر ہوگا لیکن درحقیقت وہ چور ہوگا۔ کیونکہ کپڑا آخر کن چیزوں سے تیار ہوتا ہے؟ کپڑا تیار ہوتا ہے روئی سے۔ اور روئی تیار ہوتی ہے زمین سے۔ اور زمین کسی خاص شخص کے لیے نہیں بنائی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کے لیے بنائی ہے۔ پس جب زمین ساری دنیا کے لیے بنائی گئی ہے اور اِسی زمین میں سے روئی کی فصل تیار کرکے ایک شخص کپڑے کی تجارت کرتا ہے تو اُس کا فرض ہے کہ وہ اُس ٹیکس کو ادا کرے جو اُس پر عائد ہوتا ہے کہ اُس نے اُس چیز سے فائدہ اٹھایا جس میں ساری دنیا کا حصہ تھا۔ اِسی طرح زمینوں پر زکوٰۃ کا حکم ہے کیونکہ زمین کسی ایک شخص کی نہیں بلکہ ساری دنیا کی ہے۔ اگر بعض وجوہ سے کوئی ٹکڑا کسی شخص کے قبضہ میں چلا گیا ہے تو بہر حال اُسے غریبوں کو اُن کا حق دینا پڑے گا اور وہ یہ کہہ کر اس ٹیکس سے نہیں بچ سکے گا کہ جب مَیں نے اپنی ذاتی کوشش سے یہ روپیہ کمایا ہے تو مَیں غریبوں کو اپنے مال کا ایک حصہ کیوں دوں؟ اِس لیے کہ گو اُس نے ذاتی محنت سے روپیہ کمایا مگر بہرحال اُس نے روپیہ ایک ایسی چیز سے کمایا ہے جو ساری دنیا کے لیے مشترک تھی اور جس میں غرباء کا حق بھی رکھا گیا تھا۔ پس اسلام کی ہدایت کے مطابق اُس شخص سے زکوٰۃ لی جائے گی اور غرباء پر خرچ کی جائے گی۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ نہیں دیتا تو وہ یقیناً چور ہے۔ خواہ وہ یہ کہے کہ مَیں نے رات اور دن محنت کرکے کپڑے کی تجارت سے یہ روپیہ کمایا ہے، خواہ وہ

یہ کہے کہ مَیں نے رات اور دن محنت کر کے لوہے کے کارخانہ سے یہ روپیہ کمایا ہے، خواہ وہ یہ کہے کہ مَیں نے رات اور دن محنت کر کے مٹی کے تیل کی تجارت سے یہ روپیہ کمایا ہے،، خواہ کسی چیز کی تجارت سے اُس نے روپیہ کمایا ہو اُس میں ساری دنیا کا حصہ ہے اور اُس کا فرض ہے کہ وہ اس حصہ کو ادا کرے اور اگر وہ بغیر اس ٹیکس کو ادا کرنے کے روپیہ اپنے گھر میں لے جاتا ہے تو وہ چور ہے، ڈاکو ہے، دھوکے باز ہے اور قطعاً اسلام اُسے مومن کہنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

ہاں ایک بات یاد رکھنی چاہیے اور وہ یہ کہ اِس زمانہ میں چونکہ ٹیکس دُہرا ہو گیا ہے یعنی گورنمنٹ بھی ٹیکس لیتی ہے اور اسلام بھی ایک ٹیکس لیتا ہے اِس لیے جس پر گورنمنٹ کی طرف سے ٹیکس عائد ہوتا ہو اگر اُس کے ٹیکس کی رقم زکوٰۃ کے برابر یا زکوٰۃ سے زیادہ ہو تو پھر زکوٰۃ دینا اُس پر واجب نہیں ہے۔ یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گورنمنٹ جمع شدہ مال پر ٹیکس نہیں لیتی بلکہ آمد پر ٹیکس وصول کرتی ہے۔ لیکن اسلام اُس مال سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے جو انسان کے پاس جمع ہو اور جس پر سال گزر گیا ہو۔ فرض کرو ایک شخص دس ہزار روپیہ سالانہ کماتا ہے اور گورنمنٹ اُس سے ٹیکس لے لیتی ہے اور وہ ٹیکس زکوٰۃ سے زیادہ ہے تو ہم کہیں گے اب ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ جیسے زمیندار سے بھی گورنمنٹ مالیہ وصول کر لیتی ہے تو اس کے بعد اگر وہ مالیہ زکوٰۃ کے برابر یا اُس سے زیادہ ہوتا ہے تو اُس پر زکوٰۃ واجب نہیں رہتی۔ لیکن اگر کوئی زمیندار معاملہ ادا کرنے کے بعد اپنے اخراجات میں کفایت سے کام لینا شروع کر دیتا ہے اور اِس طرح وہ کچھ روپیہ پس انداز کر لیتا ہے جس پر ایک سال گزر جاتا ہے تو اُس روپیہ پر زکوٰۃ کا حکم عائد ہو جائے گا۔ فرض کرو اُس نے کفایت کرتے کرتے پانچ ہزار روپیہ جمع کر لیا ہے اور اُس پانچ ہزار روپیہ پر ایک سال گزر گیا ہے تو اسلام کی طرف سے اُس پر زکوٰۃ کا ٹیکس لگ جائے گا۔ پس جمع شدہ مال پر جب سال گزر جائے اور وہ مال زکوٰۃ کے نصاب کے اندر ہو تو شریعت کی طرف سے زکوٰۃ کا حکم انسان پر عائد ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ زمیندار کا مال ہو یا تاجر کا ہو یا کسی اَور کا ہو۔ ہاں! اُس مال میں سے جس پر ٹیکس گورنمنٹ نے زکوٰۃ کے برابر یا اُس سے زائد لے لیا ہو بچا ہوا روپیہ اگر سال ہی میں خرچ ہو جائے تو اُس پر

زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ مگر کچھ نہ کچھ رقم ثواب میں شمولیت کے لیے طوعی طور پر انسان کو پھر بھی دینی چاہیے۔ ہاں! اگر اِنکم ٹیکس یامالیہ کم ہو اور زکوٰۃ یاعُشر اُس پر زیادہ عائد ہوتا ہو تو پھر جتنی کمی رہ جائے گی اُس کو پورا کرنا اُس کا فرض ہو گا۔ فرض کرو زکوٰۃ کے بیس روپے کسی شخص کے ذمہ تھے۔ گورنمنٹ نے ٹیکس کے ذریعہ پندرہ روپے وصول کر لیے تو باقی پانچ روپے اسلام کا قائم کردہ نظام اُس سے ضرور وصول کرے گا۔ لیکن اگر گورنمنٹ نے اُس سے ٹیکس اکیس روپے لے لیے ہیں تو پھر زکوٰۃ اُس پر واجب نہیں ہو گی۔ زکوٰۃ کا حکم ایسے شخص پر اُسی صورت میں عائد ہو گا جب وہ اپنی آمد کو جمع رکھے اور پھر اُس جمع شدہ مال پر جب وہ نصاب سے زائد ہو ایک سال گزر جائے۔

چوتھی بات مَیں نے یہ بتائی تھی کہ اسلام نے ایک یہ حکم بھی اپنے ماننے والوں کو دیا ہے جن میں تاجر اور صنّاع خصوصیت سے شامل ہیں کہ وہ تنگی کی حالت میں بھی انفاق سے کام لیں۔ اِس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک اَور مقام پر بھی توجہ دلائی ہے۔ فرماتا ہے وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ **16** یعنی اُن کو بھی دو جو سوال کرتے ہیں، اُن کو بھی دو جو سوال نہیں کر سکتے۔ اور اُن کو بھی دو جو سوال کر ہی نہیں سکتے۔ سوال نہ کر سکنا کئی طرح سے ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص گونگا ہوتا ہے اور وہ بول ہی نہیں سکتا۔ یا جانور ہیں کہ وہ جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو دوسرے سے کوئی سوال نہیں کر سکتے۔ دنیا میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی جانور بوڑھا ہو کر ناکارہ ہو جاتا ہے تو لوگ اُسے مار کر اپنے گھر سے نکال دیتے ہیں اور کوئی اُس کا پُرسانِ حال نہیں رہتا۔ ایسے جانوروں کو پالنا مالک کا کام ہوتا ہے یا پھر حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ مالک کو مجبور کرے کہ اُس جانور کو اپنے گھر میں رکھے۔ آخر یہ کوئی انصاف نہیں کہ جب تک کسی جانور سے کمائی کی جاسکتی تھی اُس وقت تک تو اُسے کھلایا پلایا اور جب وہ بوڑھا ہو گیا اور کام کے قابل نہ رہا تو اُسے مار کر اپنے گھر سے باہر نکال دیا۔ گائے اور بیل ایسے جانور ہیں جن کے بوڑھا یا ناکارہ ہونے پر لوگ اِن کو ذبح کر لیتے ہیں مگر گھوڑا اور گدھا وغیرہ ایسے جانور ہیں جن کو ذبح نہیں کیا جاسکتا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ لوگوں کے اموال میں اُن کا بھی حق ہے جو محروم ہیں اور بولنے کی

طاقت اپنے اندر نہیں رکھتے۔ انصاف یہ ہے کہ اول تو مالک کو مجبور کیا جائے کہ وہ اُس جانور کو رکھے۔ جب ساری عمر اُس نے کمائی کی ہے تو اب بوڑھا ہونے پر اُسے گھر سے نکال دینا اور اس کی خبر گیری نہ کرنا ہر گز جائز نہیں۔ اور اگر مالک کسی طرح بھی اُس کو رکھنے کے لیے تیار نہ ہو اور حکومت اپنے ہاتھ میں نہ ہو تو پھر ملک کا فرض ہے کہ وہ اُس کی خبر گیری کرے۔ یہ مالداروں پر خصوصاً حق مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے روپیہ میں سے سائل اور محروم دونوں کا خیال رکھیں۔

پانچویں بات تَعَاوُن عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى تھی۔ یہ فرض بھی جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے سب پر عاید ہوتا ہے۔ لیکن تجارت اور صنعت و حرفت کا کام کرنے والوں پر خصوصاً یہ اہم ترین ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تَعَاوُن عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى کریں۔ تاجر اور صنّاع دو ایسے گروہ ہیں کہ اُن کا تعاون بہت وسیع ہو سکتا ہے۔ مثلاً صنّاع اگر ایسی صورت میں اپنی صنعت و حرفت کو فروغ دیں کہ اُن کی صنعت سے مذہب کو شوکت حاصل ہونے لگ جائے، دین کی شُہرت پھیلنے لگ جائے اور سلسلہ کی مضبوطی پہلے سے بڑھ جائے تو یقیناً اُن کی صنعت دین کا ایک حصہ سمجھی جائے گی۔ یا اگر کوئی شخص دو کام کر سکتا ہو اور ان دونوں میں سے ایک کام ایسا ہو جس سے دین کی مدد ہوتی ہو اور دوسرا کام ایسا ہو جس سے دین کی مدد نہ ہوتی ہو تو اُسے بہر حال وہ کام کرنا چاہیے جس سے دین کی مدد ہوتی ہو۔ خواہ اُس میں تھوڑے بہت نفع کا فرق ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ایسا شخص وہ کام اختیار کرتا ہے جس سے دین کی مدد ہوتی ہو تو وہ یقیناً ثواب کا مستحق ہو گا اور اُس کا دنیا کمانا محض دنیا نہیں بلکہ دین کا ایک حصہ ہو گا۔ عام لوگ اِس بات کو نہیں سمجھ سکتے کہ کس طرح بعض تجارتیں دین کے لیے مفید ہو سکتی ہیں اور نہ اِن تمام باتوں کو تفصیلاً بیان کرنے کا یہ موقع ہے۔ لیکن ہوتا یہی ہے کہ بعض تجارتیں اور بعض صنعتیں دین کے لیے مفید ہوتی ہیں اور بعض تجارتیں اور بعض صنعتیں دین کے لیے مفید نہیں ہوتیں۔ اور اِس کی تفصیل تاجروں اور صنّاعوں کو بتائی جا سکتی ہے۔ پس اُنہیں صرف اُن تجارتوں اور اُن صنعتوں کو ترجیح دینی چاہیے جن سے دین کی تائید ہوتی ہو۔

اِسی طرح تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى میں جہاں یہ بات داخل ہے کہ ایسی تجارتیں

اور ایسی صنعتیں اختیار کی جائیں جو دین کی تقویت کا موجب ہوں وہاں آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے کا بھی اِس آیت میں حکم پایا جاتا ہے۔ آخر ایک شخص کی تجارت کیوں چل نکلتی ہے اور دوسرے شخص کی تجارت کیوں رہ جاتی ہے؟ اِسی لیے کہ ایک شخص کو تجارت میں کامیابی حاصل کرنے کے گُر معلوم ہوتے ہیں اور دوسرا شخص تجارت کے اصول سے ناواقف ہوتا ہے۔ ایک شخص جانتا ہے کہ سَودا کہاں سے سستا ملتا ہے، سودا کس طرح فروخت کرنا چاہیے، کس منڈی میں بیچنے سے زیادہ نفع حاصل ہوتا ہے اور کس منڈی میں بیچنے سے کم نفع حاصل ہوتا ہے۔ مگر دوسرا شخص ان باتوں کو نہیں جانتا۔ پس اگر ہماری جماعت کے تاجر اپنی تجارت کے ساتھ ساتھ کسی اَور آدمی کو بھی تجارت کا کام سکھا دیں اور اُسے بھی تجارت کے رازوں سے واقف کر دیں تو یہ بھی ایک قومی تعاون ہوگا اور اس کے نتیجہ میں بھی وہ بہت بڑے ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اِسی طرح اگر ایک شخص کو کوئی پیشہ یا ہنر آتا ہے تو اُسے چاہیے کہ اُس پیشہ یا ہنر کو اپنے پاس ہی نہ رکھے بلکہ دوسرے کو بھی سکھا دے۔ پرانے زمانہ میں لوگوں کو یہ عادت تھی کہ وہ بعض ہُنر مخفی رکھتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہُنر اُن کے ساتھ ہی چلے گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے کہ ایک نائی تھا جسے زخموں کو اچھا کرنے کا ایک نہایت ہی اعلیٰ درجے کا نسخہ معلوم تھا۔ دور دور سے لوگ اُس کے پاس علاج کے لیے آتے اور فائدہ اٹھاتے مگر وہ اتنا بخیل تھا کہ اپنے بیٹے کو بھی اُس مرہم کا نسخہ نہ بتاتا اور کہتا کہ یہ اِتنا بڑا ہُنر ہے کہ اِس کے جاننے والے دو آدمی ایک وقت میں نہیں ہوسکتے۔ بیٹے نے بہتیری منتیں کیں اور کہا کہ مجھے یہ نسخہ آپ بتا دیں مگر وہ یہی جواب دیتا کہ مرتے وقت تمہیں بتاؤں گا اس سے پہلے نہیں بتا سکتا۔ بیٹا کہتا کہ موت کا کوئی پتہ نہیں وہ کس وقت آجائے آپ مجھے ابھی یہ نسخہ بتا دیں۔ مگر باپ آمادہ نہ ہوا۔ آخر ایک دفعہ وہ بیمار ہوا اور سخت نازک حالت ہو گئی۔ بیٹا کہنے لگا باپ! مجھے اب تو نسخہ بتا دیں۔ مگر وہ جواب دیتا کہ مَیں مرتا نہیں اچھا ہو جاؤں گا۔ پھر اَور حالت خراب ہوئی تو بیٹے نے پھر منتیں کیں مگر اُس نے پھر یہی جواب دیا کہ کیا تُو سمجھتا ہے مَیں مرنے لگا ہوں؟ مَیں تو ابھی نہیں مرتا۔ غرض اِسی طرح وہ جواب دیتا رہا

یہاں تک کہ مر گیا اور اُس کا بیٹا جاہل کا جاہل ہی رہا۔

تو اسلام اِس بات کو جائز قرار نہیں دیتا۔ اسلام کہتا ہے کہ تم علم کو صرف اپنی ذات تک محدود نہ رکھو بلکہ اُسے وسیع کرو اور دوسرے لوگوں میں پھیلاؤ۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض علم اور بعض پیشے ایسے ہیں جن میں ایک حد تک اور ایک وقت تک اخفاء جائز ہوتا ہے مگر ہمیشہ کے لیے اخفاء جائز نہیں ہوتا۔ یورپ میں اَدویہ کو پیٹنٹ(PATENT) کرانے کا ایک نہایت ہی مفید طریق جاری ہے۔ وہ کہتے ہیں اگر کوئی شخص ایجاد کرے تو چالیس سال تک وہ اُس سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتا ہے۔ ہم کسی کو یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ اُس کی نقل کرے۔ لیکن چالیس سال کے بعد اجازت ہونی چاہیے کہ سب لوگ اُس سے فائدہ اٹھائیں۔ درحقیقت یہ ایک بہت ہی اچھا طریق ہے جو یورپ والوں نے ایجاد کیا ہے کہ وہ کچھ وقت موجد کو دے دیتے ہیں کہ وہ اُس میں اپنی ایجاد سے فائدہ اٹھائے اور پھر ساری دنیا میں اُس کو پھیلا دیتے ہیں تا کہ اَور لوگ بھی اگر اُس سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھالیں۔ اِسی طرح صنّاع اور تاجر اگر اپنی صنعت اور تجارت کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی یہ پیشے سکھا دیں یا اِن پیشوں کے سیکھنے میں اُن کی مدد کریں تا کہ دوسرے شہروں یا دوسرے ملکوں میں صنعت و حرفت اور تجارت کو فروغ حاصل ہو تو یہ بھی ایک رنگ کی زکوٰۃ ہوگی جو اُن کی تجارت اور صنعت کو پاک کرنے کا ذریعہ بن جائے گی۔ تَعَاوُن عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى میں تجارتی کمیٹیاں اور صنّاعوں کی کمیٹیاں بھی شامل ہیں کہ ایک دوسرے کے مال کے فروخت کرنے میں مدد دیں اور ایک دوسرے کی تجارتوں کے فروغ میں مدد دیں۔ مسلمان عموماً تجارت میں اس لیے نقصان اٹھاتے ہیں کہ اِن کی تجارتوں کو نہ دوسرے تُجّار سے مدد ملتی ہے اور نہ گاہکوں سے۔ اِس کے بالمقابل ہندو تاجروں کو دونوں طرف سے مدد ملتی ہے اور وہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔

چھٹے میں نے بتایا تھا کہ اسلام نے یہ اصل پیش کیا ہے کہ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ۔ اِس میں یہ گُر بتایا گیا ہے کہ صنّاع اور تاجر جہاں کہیں ہوں اُن کی پالیسی اور اُن کا طریق ایسا ہونا چاہیے کہ اُن کے کام کے نتیجہ میں اسلام کو غلبہ حاصل ہو، دین کی طاقت بڑھے اور مذہب کی دنیا میں زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو۔ اس اصل کے ماتحت ہر شخص پر

بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے خصوصاً تاجروں اور صنّاعوں پر کیونکہ تاجروں اور صناعوں کو لوگوں میں زیادہ رسوخ حاصل ہوتا ہے۔ انہیں ایک دوسرے سے ملنے کے زیادہ مواقع ملتے رہتے ہیں اور وہ اگر چاہیں تو اپنے اِس رسوخ سے دین کی خاطر بہت زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ پس تاجروں اور صنّاعوں کا وجود مذہب کی تائید اور دین کی تقویت کا بہت زیادہ موجب بن سکتا ہے۔ اور اگر وہ صرف دنیا کمانے میں اپنے آپ کو مشغول نہ رکھیں تو اسلامی نقطۂ نگاہ سے وہ بہت کچھ ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

ساتویں اسلام نے وزن اور ماپ وغیرہ کی درستی کی ہدایت کی ہے۔ یہ نقص بھی تاجروں میں خاص طور پر پایا جاتا ہے۔ پہلے تو وہ صرف ڈنڈی مارا کرتے تھے مگر اب کئی قسم کے بٹّے بنا لیے گئے ہیں۔ پہلے بھی جب اسلام میں تجارت کا زور تھا لوگوں میں یہ نقص پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ پرانی کتب میں بھی ذکر آتا ہے کہ پرانے زمانہ میں بھی تین قسم کے بٹّے ہوا کرتے تھے۔ ایک لینے کے لیے، ایک دینے کے لیے اور ایک افسروں کو دکھانے کے لیے۔ پس پہلے بھی یہ نقص تھا مگر اِس زمانہ میں اِس نقص نے بہت بڑی اہمیت اختیار کر لی ہے۔ اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ مومن کو چاہیے وہ تول اور ماپ میں کسی قسم کی کمی نہ کرے۔ جب کوئی چیز لے تو تول کر لے اور جب کوئی چیز دے تو تول کر دے۔ کسی قسم کی دھوکا بازی اور فریب اسلام میں جائز نہیں ہے۔ اور اگر کوئی تاجر یا صنّاع ایسا کام کرتا ہے تو اُس کا کام محض دنیاداری ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب نہیں بلکہ اُس کی ناراضگی کو بھڑکانے کا موجب ہے۔ جب وہ اِس قسم کے دھوکا کے بعد کوئی مال کما کر اپنے گھر میں لے آتا ہے تو حرام مال ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے جیسے چوری اور ڈاکہ سے حاصل کیا ہوا مال ہو۔ چاہے اُس نے دکان پر ہی بیٹھ کر کیوں نہ حاصل کیا ہو۔

آٹھویں دھوکا، فریب اور بناوٹ سے اسلام نے نہایت شدت کے ساتھ منع کیا ہے۔ یہ نقص بھی ایسا ہے جس کا ازالہ نہایت ضروری ہے۔ ہندوستان میں تو یہ مرض اِس قدر پھیلا ہوا ہے کہ کوئی چیز دھوکا اور بناوٹ سے نہیں بچی۔ گھی فروخت کریں گے تو اس میں چربی یا تیل وغیرہ ملا کر، تیل بیچیں گے تو وہ خالص نہیں ہو گا۔ بلکہ اُس میں بعض اَور تیلوں کی

ملاوٹ ہو گی۔ یہی باقی تمام چیزوں کا حال ہے۔ سب ہی میں دھوکا اور فریب سے کام لیا جاتا ہے اور خالص چیز خریداروں کو مہیا نہیں کی جاتی۔ غیر ملکوں سے تو اَب یہ عیب اُٹھتا جا رہا ہے۔ یورپ میں بھی بہت کم رہ گیا ہے۔ مگر ہندوستان میں ابھی یہ نقص کافی حد تک پایا جاتا ہے۔ یہ نقائص صرف اِسی زمانہ میں نہیں بلکہ اسلامی حکومت کے زمانہ میں بھی یہ نقائص پائے جاتے تھے اور اِنہی کو دور کرنے کے لیے اسلامی حکومت کی طرف سے محتسب مقرر تھے۔ ہم نے بھی مرکز میں ایک محتسب اِسی قسم کے کاموں کی نگرانی کے لیے رکھا ہوا تھا۔ غرض کئی قسم کے دھوکوں اور فریبوں سے اشیاء کو خراب کیا جاتا اور بجائے خالص چیز کے ناقص اور گندی اشیاء لوگوں کو مہیا کی جاتی ہیں۔

میرے پاس عربی کی ایک کتاب ہے جو دو تین سَو صفحوں کی ہے اور جس میں بازار کے تمام ہتھکنڈوں کا پوری تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ وہ کتاب در حقیقت اسلامی زمانہ میں محتسب کی راہنمائی کے لیے لکھی گئی تھی۔ چنانچہ جب کسی شخص کو اِس ڈیوٹی پر مقرر کیا جاتا تو اُسے بتایا جاتا تھا کہ لوگوں کی طرف سے چیزوں کو کس طرح خراب کیا جاتا ہے اور ہمیں ان خرابیوں کا کس طرح انسداد کرنا چاہیے۔ یا کس طرح معلوم کرنا چاہیے کہ اِن چیزوں میں ملاوٹ اور دھوکا بازی سے کام لیا گیا ہے۔ گویا وہ محتسب کا نصابِ تعلیم تھا جسے پڑھا کر اُسے احتساب کے کام پر مقرر کیا جاتا تھا تا کہ وہ خالص چیزیں لوگوں کے لیے مہیا کرے اور اُنہیں دھوکا بازی کا شکار ہونے سے بچائے۔ اِس کتاب کو پڑھ کر حیرت آ جاتی ہے کہ کوئی پیشہ ایسا نہیں جس میں دھوکا اور فریب کا کوئی نہ کوئی رستہ پیدا نہ کر لیا گیا ہو۔ پھر اِس دھوکا اور فریب کو پہچاننے کے لیے کئی کئی قسم کی تراکیب بتائی گئی ہیں۔ مثلاً بتایا گیا ہے کہ عنبر کو لوگ اِس طرح خراب کرتے ہیں اور اِس اِس طریق پر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ عنبر خالص ہے یا اُس میں بعض اور چیزوں کی ملاوٹ ہے۔ اِسی طرح اس میں بتایا گیا ہے کہ لوگ گھی کو کس طرح خراب کرتے ہیں، موم کس طرح خراب کرتے ہیں۔ تیل کو کس طرح خراب کرتے ہیں، لوہے کو کس طرح خراب کرتے ہیں اور پھر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب لوگ ان چیزوں کو خراب کر دیں تو تم کس طرح اِن خرابیوں کو معلوم کر سکتے ہو۔ پس یہ بھی ایک بہت بڑا نقص ہے جس کو

دور کرنا چاہیے۔

نویں اسلام کا یہ حکم ہے کہ احتکار نہ ہو۔ احتکار کے معنے صرف جمع کر کے رکھنے اور بعد میں مہنگا فروخت کرنے کے ہیں۔ اِس میں غلّہ کی کوئی شرط نہیں بلکہ کسی چیز کو بھی اگر اس غرض کے لیے بند کر کے رکھ لیا جاتا ہے کہ جب وہ چیز مہنگی ہو گی تو اُس وقت ہم فروخت کریں گے تو اسلام کے نزدیک یہ احتکار ہو گا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ حدیثوں میں صاف طور پر ذکر آتا ہے کہ اگر کوئی شخص غلّہ خرید کر اس لیے روک لیتا ہے کہ جب غلہ مہنگا ہو گا تو اس وقت مَیں اُسے فروخت کروں گا تو وہ ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔**17** بعض لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ حکم صرف غلہ کے متعلق ہے اَور چیزوں کے متعلق نہیں۔ حالانکہ تفقّہ کے معنے ہی یہی ہوتے ہیں کہ جو حکم کسی خاص موقع پر دیا جائے اُس کے متعلق یہ دیکھا جائے کہ اُس حکم کی غرض کیا تھی۔ اور پھر جہاں جہاں وہ غرض پائی جائے اُس حکم کو چسپاں کر دیا جائے۔ پس گو احتکار کا حکم غلہ کے متعلق ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صرف غلہ کے تاجر کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ غلہ کو روک لیتا ہے اِس ارادہ اور اِس نیت سے کہ جب غلہ مہنگا ہو گا تب فروخت کروں گا تو وہ ناجائز فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ لیکن اِس سے استدلالِ عام کیا جائے گا۔ کیونکہ اِس حکم کی اصل غرض یہ ہے کہ لوگ کسی چیز کو روک کر نہ رکھیں تا کہ لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ پس جس طرح غلہ روک کر ایک شخص احتکار کرتا اور شریعت کے نزدیک مجرم قرار پاتا ہے اِسی طرح اگر کوئی کپڑے کا تاجر کپڑے کو روک لے اور لوگوں میں فروخت نہ کرے تو وہ بھی ایسا ہی سمجھا جائے گا۔ یا اگر کوئی لکڑی کو روک لیتا ہے یا لوہے کو روک لیتا ہے یا کوئلے کو روک لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جب یہ چیزیں مہنگی ہوں گی تب میں اِن کو فروخت کروں گا تو وہ یقیناً اسلام کے خلاف چلتا ہے۔ پس شریعت اسلامی کے رو سے کوئی ایسی تجارت اَور کوئی ایسی صنعت جائز نہیں جس میں احتکار سے کام لیا گیا ہو۔ یعنی یہ مد نظر رکھا گیا ہو کہ جب چیزیں مہنگی ہوں گی تب اِن چیزوں کو ہم فروخت کریں گے اُس سے پہلے ہم فروخت نہیں کریں گے۔

احتکار کے سلسلہ میں یہ امر بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ بعض تاجر اِس پردہ میں بھی

دوسرے کو دھوکا اور فریب دے دیتے ہیں۔ مثلاً ایک تاجر ایسا ہے جس کے پاس سَو من غلہ ہے۔ ایک دوسرے تاجر کو یہ بات معلوم ہو جاتی ہے جس کے پاس پہلے ہی دو تین سَو من غلہ موجود ہے اور وہ اُس کے پاس آکر کوشش کرتا ہے کہ اُس سے بھی سَو من غلہ خرید لے تاکہ غلہ صرف اُسی کے پاس رہے اَور کسی کے پاس نہ رہے۔ وہ اُس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے اپنا ایک سَو من غلہ میرے پاس فروخت کر دو۔ اِس پر اگر دوسرا شخص انکار کر دے تو وہ بالکل حق بجانب ہو گا۔ کیونکہ وہ اُس کے پاس غلہ فروخت کرنے سے اِس لیے انکار نہیں کرتا کہ وہ خود احتکار کرنا چاہتا ہے بلکہ اس لیے انکار کرتا ہے کہ اگر مَیں نے غلہ فروخت کر دیا تو اُس دوسرے تاجر کو احتکار کرنے کا زیادہ موقع مل جائے گا۔ پس وہ احتکار کے لیے نہیں بلکہ احتکار کو روکنے کے لیے غلہ فروخت کرنے سے انکار کرتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص ایسا ہے جس کے پاس پہلے ہی کافی غلہ موجود ہے۔ مگر اس کا منشاء یہ ہے کہ اردگرد سے سب غلہ اکٹھا کر لے اور اسے گراں قیمت پر فروخت کرے۔ پس چونکہ وہ احتکار کے لیے نہیں بلکہ دوسرے کو احتکار سے بچانے کے لیے غلہ فروخت کرنے سے انکار کرتا ہے اس لیے اُس کا یہ فعل اسلامی تعلیم کے رو سے بالکل جائز اور درست ہو گا۔

غرض احتکار کی اسلام میں نہایت سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور یہ ایک ایسا عیب ہے جس کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔ آجکل جنگ کی وجہ سے تاجروں میں خصوصیت سے احتکار پایا جاتا ہے۔ اُن کے پاس کپڑا موجود ہوتا ہے مگر وہ انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کپڑا نہیں۔ اِس سے اُن کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جب کپڑا اَور زیادہ مہنگا ہو گا تب ہم فروخت کریں گے۔ اِسی طرح لکڑی موجود ہوتی ہے مگر جب کوئی لکڑی کا خریدار آتا ہے تو اُس کے سامنے انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے پاس لکڑی نہیں۔ کوئلہ موجود ہوتا ہے مگر جب کوئلہ مانگنے کے لیے آتا ہے تو انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئلہ نہیں۔ شریعت کے رو سے یہ بالکل ناجائز ہے۔ اور ہر شخص جو احتکار کے نتیجہ میں روپیہ کماتا ہے اُسے اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ وہ حرام خوری کا ارتکاب کرتا اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو اپنے اوپر بھڑکاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کمانے کے جو جائز ذرائع رکھے ہوئے ہیں

صرف اُن ذرائع سے کام لینا چاہیے۔ ناجائز اور گندے اور ناپاک ذرائع جن کا اسلام دشمن ہے، جن سے اُس نے بڑی شدت کے ساتھ منع کیا ہے اُن کو اختیار کرنا دین کی ہتک کرنا اور خدا تعالیٰ کی نگاہ میں موردِ غضب اور قہر بننا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مومن کے لیے دنیا کا مال کمانا اِس لیے جائز رکھا ہے کہ دنیا اُس کے دین کے لیے مددگار ہو۔ اگر کوئی شخص دین کو نظر انداز کر دیتا ہے تو اُس کا دنیا کمانا اُس کے لیے لعنت کا ایک طوق ہے جو اسے خدا تعالیٰ کے حضور ایک مجرم کی حیثیت میں کھڑا کرے گا۔ انسان کو ان گندے ذرائع اختیار کرنے کا لالچ صرف اِس لیے پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہمسایوں کو دیکھتا ہے کہ وہ بھی ایسا کر رہے ہیں۔ جب وہ اپنے کسی ہمسایہ یا اپنے کسی دوست یا اپنے کسی واقف تاجر کو اِس قسم کے ذرائع اختیار کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اُس کے دل میں بھی خیال آ جاتا ہے کہ مَیں بھی اس ذریعہ سے دولت کما دیکھوں۔ حالانکہ اگر وہ جھک مارتا ہے تو کیا تم بھی جھک مارنے لگ جاؤ گے۔ اگر کل کو وہ شراب پینے لگ گیا تو کیا تم بھی شراب پینے لگ جاؤ گے؟ اور کہو گے کہ مَیں شراب کیوں نہ پیوں، میرا فلاں ہمسایہ جو شراب پیتا ہے۔ اِسی طرح دنیا میں بہت سے لوگ ہیں جو سؤر کھاتے ہیں۔ پھر کیا تم اِن کو دیکھ کر سؤر بھی کھانے لگ جاؤ گے؟ اور کہو گے کہ ہم اُن سے کیوں پیچھے رہیں؟ دنیا میں بعض مُردار خور قومیں ہیں جو مُردار اور خون تک کھا جاتی ہیں۔ کیا ایسی حالت میں تم بھی مردار کھانے لگ جاؤ گے اور اپنے دین کو تباہ کر لو گے؟

ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک غریب شخص کسی گاؤں میں رہتا تھا۔ وہاں کا نمبردار ایک دن اُس کے پاس آیا اور بعض برتن اُس سے مانگ کر لے گیا کیونکہ اُس کے ہاں شادی کی تقریب تھی۔ اُس شخص نے سمجھا کہ نمبردار چند روز تک میرے برتن مجھے واپس کر دے گا مگر جیسے جابر زمینداروں کا طریق ہوتا ہے اُس نے برتن واپس نہ کیے یہاں تک کہ مہینہ دو مہینے گزر گئے۔ ایک دن وہ اتفاقاً اُسی زمیندار کے گھر جا نکلا۔ تو اُس نے دیکھا کہ وہ اُسی کے پیالہ میں ساگ کھا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اُسے سخت جوش آیا اور زمیندار سے کہنے لگا چودھری! یہ بھی کوئی انصاف کی بات ہے کہ تم مجھ سے برتن مانگ کر لائے اور پھر کئی مہینے گزرنے کے باوجود تم نے واپس نہ کیے بلکہ آج تم میرے پیالہ میں ہی ساگ کھا رہے ہو!! پھر ایک گالی دے کر کہنے لگا

تم مجھے بھی ایسا ویسا سمجھنا اگر مَیں تمہارا برتن نہ لے جاؤں اور اُس میں پاخانہ ڈال کر نہ کھاؤں۔ اب دیکھو اُس نے ایک بات تو کہی مگر سوائے اپنی ناک کاٹنے کے اُس نے اَور کیا کیا؟ اُس نے چاہا تو یہ تھا کہ دوسرے کو ملامت کرے مگر اپنی بیوقوفی کی وجہ سے خود ہی ذلیل ہو گیا۔ تو وہ شخص جو کہتا ہے کہ چونکہ فلاں ایسا کرتا ہے اِس لیے مَیں نے بھی ایسا ہی کیا وہ اپنی بیوقوفی کا آپ اقرار کرتا ہے اور اِس کے معنے یہ بنتے ہیں کہ چونکہ فلاں نے جھک ماری اِس لیے مَیں بھی جھک مارتا ہوں یا چونکہ فلاں نے نجاست کھالی اِس لیے مَیں بھی اس کے کھانے سے باز نہیں رہ سکتا۔ اگر کوئی اَور شخص ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو بجائے اِس کے کہ تم اُس کی نقل کرو تمہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ خدا کا نافرمان ہے۔ خدا کے احکام کا دشمن ہے۔ اُس کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی نہیں۔ اُسے اپنی موت کا کوئی یقین نہیں۔ اُسے جنت اور دوزخ پر کوئی ایمان نہیں۔ اگر تمہارا بھی یہی حال ہے تو بے شک تم بھی ایسا ہی کرلو۔ اور اگر تم اپنے دل میں ایمان رکھتے ہو تو تمہیں گندے افعال میں دوسرے کی متابعت کا خیال ہی کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔

دسویں مَیں نے بتایا ہے کہ مزدور کو اُس کا حق دو اور وقت پر دو۔ یہ بھی ایک ایسا حکم ہے جس کی طرف عام طور پر توجہ سے کام نہیں لیا جاتا۔ یورپ میں تو مزدوروں نے اپنی کمیٹیاں بنائی ہوئی ہوتی ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں یہ بات نہیں۔ یہاں اول تو لوگ مزدور کو اُس کے حق سے کم دیتے ہیں اور پھر جو کچھ دیتے ہیں وہ بھی وقت پر نہیں دیتے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ نہ صرف مزدور طبقہ کی حق تلفی ہو رہی ہے بلکہ مالکوں کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے۔ گویا اِس فعل کے نتائج دُہرے طور پر نکل رہے ہیں۔ مزدور بھی نقصان اٹھا رہے ہیں اور مالک بھی نقصان اٹھا رہے ہیں۔ کیونکہ مالکوں کو مزدوروں سے ہی کام لینا پڑتا ہے اور جب اُن کے حقوق ادا نہیں کیے جاتے تو وہ خوش دلی سے کام نہیں کرتے۔ جس کا اثر اُس کام پر پڑتا ہے جو اُن کے سپرد کیا جاتا ہے اور اِس طرح مالک بھی مزدور کی حق تلفی کرکے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

یورپ میں مَیں نے دیکھا ہے کوئی شخص چلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ یوں معلوم ہوتا ہے

کہ سب لوگ دَوڑ رہے ہیں۔ جب ہم یورپ گئے تو ایک دفعہ مَیں نے حافظ روشن علی صاحب سے پوچھا یا حافظ صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ نے لنڈن میں کسی کو چلتے بھی دیکھا ہے؟ اِس کا جواب اُنہوں نے مجھے یہ دیا یا مَیں نے اُنہیں یہ جواب دیا کہ لنڈن میں ہم نے کسی شخص کو اُس طرح چلتے نہیں دیکھا جس طرح ہمارے ملک میں لوگ چلتے ہیں۔ بلکہ وہاں ہم نے جس کو بھی دیکھا ہے دوڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ بازاروں میں بھی ہم نے کسی کو اپنے ملک کے لوگوں کی طرح چلتے نہیں دیکھا بلکہ ہر ایک ہمیں دوڑتا ہوا ہی نظر آیا ہے۔ وہاں ہم نے ایک دفعہ ایک عمارت بنتی دیکھی تو حیرت آگئی کہ کس پُھرتی کے ساتھ مزدور وہاں کام کر رہے ہیں۔ ہمارا مزدور جب اینٹ اٹھانے لگتا ہے تو ہاتھوں میں اٹھا کر اور ایک آہ بھر کر ٹوکری میں ڈالتا ہے۔ پھر دوسری اینٹ اٹھاتا اور یہ دکھانے کے لیے کہ وہ کام کر رہا ہے اِس طرح پھونک مار مار کر اُس پر سے گرد ہٹاتا ہے کہ گویا اطلس یا کمخواب کا کوئی تھان اُس کے سامنے پڑا ہوا ہے۔ کبھی اُس کے ایک طرف پھونک مارے گا کبھی دوسری طرف پھونک مارے گا اور بہانہ صرف یہ ہو گا کہ کچھ نہ کچھ دیر لگ جائے۔ پھر آرام سے اٹھتا ہے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اُسے معمار کے پاس لے جاتا ہے اور جب اِس انداز میں وہ دو تین ٹوکریاں اٹھا لیتا ہے تو اُس کے بعد بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے مَیں حُقّہ کے دو گھونٹ تو پی لوں۔ مگر یورپ میں یہ بات نہیں۔ وہاں ہر شخص دوڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور پھر جس عمارت کا مَیں نے ذکر کیا ہے وہ عمارت جس طرح مَیں نے منٹوں میں اُٹھتی دیکھی ہے اُس طرح گھنٹوں میں بھی ہمارے ملک میں کوئی عمارت کھڑی نہیں ہوتی۔ پس اِس کا نتیجہ دونوں کے حق میں خراب نکل رہا ہے مزدور کے حق میں بھی اور آقا کے حق میں بھی۔ جب مزدور کو اُس کی مزدوری صحیح طور پر نہیں دی جاتی تو وہ بھی دل لگا کر کام نہیں کرتا۔ بلکہ اگر اُسے پوری اُجرت دو تب بھی وہ کام نہیں کرتا۔ کیونکہ سُستی اور کاہلی اور نکمے پن کی اُس کے اندر عادت پیدا ہو چکی ہوتی ہے۔ اِس کے لیے ہمیں ایک ایسے انتظام کی ضرورت ہے جو دونوں طرف کی بُری عادتوں کو دور کر دے۔ اِدھر مزدوروں کو محنت اور دیانتداری سے کام کرنے پر مجبور کرے اور اُدھر مالکوں کو اِس بات پر مجبور کرے کہ وہ مزدوروں کو اُن کا پورا حق دیں اور ٹھیک وقت پر دیں۔

مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مَیں نے اِس ملک میں پوری دیانتداری اور محنت کے ساتھ کام کرنے والا ایک مزدور بھی نہیں پایا۔ خواہ لوہار ہوں، نجّار ہوں، معمار ہوں سب میں مَیں نے یہ نقص دیکھا ہے کہ اُن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ آنکھ بچا کر کسی طرح کام سے بچ جائیں۔ دوسری طرف مالکوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ مزدوروں کا خون چُوستے رہتے ہیں اور اُن کی جائز مزدوری دینا بھی اُن کے لیے مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے۔ اسلام نے اِس نقص کی طرف بھی تاجروں اور صنّاعوں کو خاص طور پر توجہ دلائی ہے اور ہدایت کی ہے کہ مزدور کو اس کی پوری مزدوری دو اور پھر وہ مزدوری عین وقت پر دو۔

گیارھویں بات یہ ہے کہ انسان کے اندر تکبر اور خیلاء وغیرہ پیدا نہ ہو۔ دولت کمانے سے اسلام کبھی منع نہیں کرتا۔ اسلام صرف یہ کہتا ہے کہ تم دولت تو کماؤ مگر وہ دولت امیر اور غریب میں فرق پیدا کرنے کا موجب نہ بن جائے۔ اگر کوئی دولت امیر اور غریب میں فرق ڈال دیتی ہے، امارت اور غربت میں امتیاز پیدا کر دیتی ہے تو وہ دولت اسلامی نقطۂ نگاہ سے ناجائز ہوگی۔ اگر کوئی امیر اپنے غریب بھائی سے مل کر بیٹھ نہیں سکتا، اگر وہ ایک دستر خوان پر اُس کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکتا، اگر وہ ملنے کے لیے آتا ہے تو امیر آدمی اُس سے اپنی پیٹھ موڑ لیتا ہے یا وہ بات کرتا ہے تو یہ غصے اور جوش کی حالت میں اُس سے کہتا ہے تم جانتے نہیں مَیں کون ہوں؟ تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ شخص دولت کمانے کے بعد انسان نہیں رہا بلکہ حیوان بن گیا ہے۔ اور دولت صرف انسان کے لیے جائز ہے حیوان کے لیے جائز نہیں۔ لیکن اگر کسی شخص کے پاس دولت تو آ جاتی ہے مگر اِس کے باوجود اُس میں اور دوسرے غریب بھائیوں میں مغائرت کی کوئی دیوار حائل نہیں ہوتی، وہ اپنے آپ کو کوئی علیحدہ جنس سمجھنے نہیں لگتا، وہ دوسروں کو تحقیر اور تذلیل کی نگاہ سے نہیں دیکھتا، وہ اُن سے محبت کے ساتھ بات چیت کرتا ہے، اُن کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوتا ہے، اپنے آپ کو کوئی الگ قِسم کا آدمی اور غریبوں کو کوئی الگ قسم کا آدمی نہیں سمجھتا تو ایسے شخص کے لیے دولت کمانا بالکل جائز ہے۔

بارھویں مَیں نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک یہ حکم بھی دیا ہے کہ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ اِلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ **18** یعنی اگر کوئی شخص مرنے لگے اور مال و دولت اُس کے پاس ہو تو وہ کچھ روپیہ غرباء کی بہبودی اور دین کی خدمت کے لیے وقف کر دے۔ گو اِس آیت کے ایک دوسرے معنے بھی ہیں کہ رشتہ داروں کو وصیت کر جائے کہ شریعت کے مطابق اُس کی جائیداد کی تقسیم ہو۔ لیکن اِس آیت کے ایک یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ جب کسی شخص کے پاس ضرورت سے زیادہ مال ہو تو وہ موت کے وقت ایک حصہ کی وصیت کر جائے۔ اور جہاں کسی آیت کے دو معنے ہو سکتے ہوں وہاں دونوں لیے جائیں گے۔ یہ نہیں ہو گا کہ ایک معنے ترک کر دیے جائیں اور دوسرے معنے لے لیے جائیں۔

اِس وقت مَیں خصوصیت سے اپنی جماعت کے تاجروں اور صنّاعوں کو صنعت و حرفت اور تجارت کی اِن ذمہ داریوں میں سے تین باتوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ یوں تو بارہ کی بارہ ہدایات ہی اِس قابل ہیں کہ ان کی طرف ہمیشہ اور ہر آن توجہ رکھی جائے۔ لیکن اِس وقت خصوصیت کے ساتھ مَیں تین باتوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

اول۔ تَعَاوُن عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى

دوم۔ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ

سوم۔ مزدور کے حق کی ادائیگی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں۔ اگر تُو اپنی بیوی کے مُنہ میں ثواب کی نیت سے لقمہ ڈالتا ہے تو یہ بھی تیری طرف سے ایک صدقہ ہے۔ **19** بیوی انسان کی ایک نہایت ہی پیاری چیز ہوتی ہے جسے انسان کھلاتا پلاتا ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں گو تمہارا اپنی بیوی سے پیار ایک نفسیانی بات ہے گو جذباتی لحاظ سے تم اُس سے محبت رکھتے ہو اور گو اپنی شہوات کو پورا کرنے کے لیے تم اُس سے محبت کرتے ہو اور اُسے اچھا کھلاتے اور اچھا پہناتے ہو لیکن اگر تم اپنی بیوی کی خاطر تواضع کرتے ہوئے اُس سے پیار اور محبت کرتے ہوئے یہ نیت کر لیا کرو کہ چونکہ خدا کا حکم ہے کہ بیویوں سے محبت کی جائے اِس لیے مَیں محبت کرتا ہوں۔ اور چونکہ خدا نے ان کو کھلانے کا حکم دیا ہے اس لیے مَیں اسے کھلاتا ہوں تو تمہارا یہ کام شہوانی نہیں رہے گا بلکہ دین بن جائے گا۔ خواہ تمہارا وہ کام صرف اتنا ہو کہ تم نے

اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دیا ہو۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اسلام کے نزدیک اگر کام کی نیت درست ہو اور اسے تمدن ومذہب کی درستی کے لیے استعمال کیا جائے تو دنیا کا کام بھی دین بن جاتا ہے۔ پس اگر ہماری جماعت کے تاجر اور صنّاع اپنی نیتوں کو درست کر لیں اور اُن تین باتوں کو ہمیشہ مدنظر رکھیں جن کا ابھی مَیں نے ذکر کیا ہے اور جو تمدن کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتی ہیں تو اُن کی تجارت اور اُن کی صنعت وحرفت دنیا نہیں رہے گی بلکہ دین بن جائے گی۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ باقی کی نو باتیں بھی نہایت ضروری ہیں مگر مَیں اِن تین کا خصوصیت سے اِس لیے ذکر کر رہا ہوں کہ یہ تین باتیں جماعتی ترقی کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ اگر ہم تَعَاوُن عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى سے کام لیں، اگر ہم حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ کا اصل ہر وقت اپنے سامنے رکھیں اور اگر ہم مزدور کو اس کا حق دینے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ سے کام نہ لیں اور اُس کا حق بروقت ادا کر دیں تو گو تجارت اور صنعت وحرفت بظاہر دنیا کمانا ہے لیکن چونکہ ایسا تاجر اور صنّاع دین کے لیے مفید وجود ہو گا۔ اِس لیے اس کا دنیا کمانا دنیا کمانا نہیں ہو گا بلکہ دین کمانا ہو گا۔ پس ہر صنّاع اور ہر تاجر اگر اپنے کام کو دین کی مدد کی نیت سے کرتا ہے تو یہ کام اُس کے لیے ثواب کا موجب ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ محض دنیا کمانا ہو گا جو اس کے لیے لعنت کا موجب بن جائے گا۔ مَیں اِس وقت تاجروں کی نسبت کلام کر رہا ہوں لیکن چونکہ ہماری جماعت میں ایک بہت بڑا طبقہ زمینداروں کا بھی ہے اور وہ بھی مال کماتے ہیں۔ اِس لیے مَیں زمینداروں کی مثال دیتے ہوئے کہتا ہوں کہ دیکھو! قادیان ہماری جماعت کا مرکز ہے اور مرکز ہونے کی وجہ سے قادیان میں جس قدر ہماری جماعت کی مضبوطی ہو گی اور جس قدر اُس کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہو گا اُسی قدر یہ مضبوطی ہماری سب جماعت کی طاقت اور اُس کی قوت کا موجب بنے گی۔ اِس حقیقت کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے اگر ایک زمیندار قادیان یا اُس کے نواح میں ایک گھماؤں یا دو گھماؤں یا چار گھماؤں زمین خریدتا ہے تو زمین کے لحاظ سے وہ صرف دنیا کماتا ہے۔ کیونکہ زمین ایک ایسی چیز ہے جو باہر بھی خریدی جاسکتی ہے۔ وہ گجرات میں بھی خرید سکتا ہے، وہ گوجرانوالہ میں بھی

خرید سکتا ہے، وہ شیخوپورہ میں بھی خرید سکتا ہے، وہ لاہور میں بھی خرید سکتا ہے، وہ فیروز پور میں بھی خرید سکتا ہے، وہ جھنگ میں بھی خرید سکتا ہے۔ اگر اُس نے قادیان میں زمین خرید لی تو اِس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑ گیا۔ لیکن اگر یہ زمین اُس نے اِس لیے خریدی ہے کہ اِس سے دین کو طاقت حاصل ہو گی، مجھے یہاں رہنے کا موقع مل جائے گا، میری اولاد اِس جگہ تعلیم حاصل کرلے گی اور وہ اپنی آئندہ زندگی میں دین کی خدمت کرنے کے قابل بن سکے گی۔ اِسی طرح میرا یہاں زمین خریدنا جماعت کی اقتصادی ترقی کا موجب ہو گا تو اُس کا زمین خریدنا دین کا ایک کام بن جائے گا۔ دانہ یہاں سے بھی پیدا ہو گا اور وہاں سے بھی۔ لیکن اگر وہ شیخوپورہ یا جھنگ یا گوجرانوالہ میں زمین خریدتا تو اُس کا زمین خریدنا محض دنیا ہوتا۔ لیکن یہاں اُس کا زمین خریدنا دین بن گیا۔ قادیان اور اُس کے نواح میں بہت سے احمدی زمینداروں نے زمینیں خریدی ہوئی ہیں اور اگر اُنہوں نے اِسی نیت سے زمینیں خریدی ہیں کہ یہ امر مرکزِ سلسلہ کی تقویت کا موجب ہو گا اور خود اُن کے لیے اور اُن کی اولاد کے لیے روحانی برکات کے حصول کا موجب ہو گا تو اُن کا زمینیں خریدنا دنیا نہ رہا بلکہ دین بن گیا اور وہ زمین خرید کر خدا تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی کے مستحق ہو گئے۔ اگر وہ باہر زمین خریدتے تو روٹی اُن کو وہاں بھی مل جاتی اور ویسی ہی ملتی جیسے قادیان میں زمین خرید کر اُن کو روٹی ملتی ہے۔ یہ تو نہیں ہوتا کہ قادیان میں زمین خریدنے والے کو غلّہ زیادہ ملنے لگ جاتا ہے یا اس کی پیداوار خاص طور پر بڑھ جاتی ہے۔ دنیوی لحاظ سے جس طرح باہر کی زمینوں سے ایک انسان فائدہ اٹھاتا ہے اُسی طرح قادیان کی زمین سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ قادیان میں زمین خریدنے والے اپنی نیتیں درست کر لیتے ہیں اور وہ محض دنیا کے لیے نہیں بلکہ دین کی تقویت کے لیے یہاں زمینیں خریدتے ہیں اِس لیے گو بظاہر اُن کا قادیان میں زمینیں خریدنا ویسا ہی ہے جیسے گجرات یا شیخوپورہ یا لاہور یا فیروز پور میں زمین خرید لے مگر اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اُن کا یہ فعل قابلِ تعریف سمجھا جاتا ہے اور وہ بہت بڑے ثواب کے مستحق ہوتے ہیں۔ اِسی طرح اگر تاجر اور صنّاع اپنی تجارت اور اپنے کارخانوں کے قیام میں اس بات کو مدنظر رکھیں کہ وہ اپنی تجارتوں اور اپنے کارخانوں کو ایسے رنگ میں چلائیں گے کہ اسلام کی مدد ہو، احمدیت کو مضبوطی حاصل ہو اور جماعت کی

ترقی میں یہ امور مُمِد و معاون ہوں تو وہ دنیا نہیں بلکہ دین کماتے ہیں۔ بے شک اُنہیں اپنے کارخانوں اور اپنی تجارتوں کے نتیجہ میں مال بھی ملے گا، دولت بھی ملے گی اور وہ سب چیزیں اُنہیں حاصل ہوں گی جو دنیاداروں کو تجارت اور صنعت و حرفت کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہیں لیکن پھر بھی خدا کی نگاہ میں وہ دیندار سمجھے جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے سامنے اصل مقصد صرف دین کی خدمت اور جماعت کے ساتھ تعاون رکھا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ خدا نے اُنہیں تابع کے طور پر دنیا بھی دے دی۔ چنانچہ صحابہؓ کو دیکھو اُنہوں نے جہاد کیا اور اِس لیے کیا کہ کفار نے اسلام کو تلوار کے زور سے مٹانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ انہوں نے اسلام کی حفاظت کے لیے محض دین کی خاطر خدا تعالیٰ کی رضا اور اُس کے کلمہ کے اعلاء کی خاطر جہاد کیا اور اپنی جانیں قربان کر دیں۔ مگر اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف اسلام قائم ہوا بلکہ اُنہیں بادشاہت بھی حاصل ہوگئی۔ اگر وہ صرف بادشاہت کے لیے لڑتے تو وہ دنیا کے کیڑے سمجھے جاتے۔ لیکن چونکہ وہ خدا کے لیے لڑے اِس لیے نہ صرف وہ شہید قرار پائے بلکہ اُس کا ایک یہ نتیجہ بھی نکلا کہ وہ دنیا کے بادشاہ بن گئے۔ جنگ کرنے اور اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لحاظ سے وہ اُسی طرح لڑتے تھے جس طرح آجکل روسی اور جرمن اور انگریز اور فرانسیسی لڑ رہے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر دنیا کو بالکل چھوڑ چکے تھے اور اُنہوں نے جنگیں اِس لیے نہیں کی تھیں کہ وہ دنیا کمائیں بلکہ اُنہوں نے اِس لیے جنگیں کیں کہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو۔ اور چونکہ اُنہوں نے محض خدا کی رضا کی خاطر لڑائی کی اِس لیے گو وہ اُسی طرح لڑے جس طرح آجکل کی جنگوں میں لوگ لڑتے ہیں مگر نیت اور ارادہ کے فرق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو صالح اور شہید اور صدیق قرار دیا اور اُن کو اپنے ابدی انعامات سے اس طرح نوازا کہ آج تک رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ **20** کہتے کہتے مسلمانوں کے منہ سُوکھ جاتے ہیں۔ اور پھر اِس پر مزید انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ حاصل ہوا کہ اُن کو حکومتیں بھی ملیں اور بادشاہتیں بھی حاصل ہوئیں۔

اِسی طرح اگر ہماری جماعت کے صنّاع اور تاجر اِس نیت اور ارادہ سے صنعت و حرفت اور تجارت کریں کہ وہ تَعَاوُن عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی کریں گے، ہر کام میں اسلام کی

شوکت اور اُس کی ترقی کو مدنظر رکھیں گے اور مزدوروں کو اُن کا حق ادا کریں گے تو اِس کا یہ نتیجہ ہو گا کہ دنیوی لحاظ سے بھی اُن کو کوئی نقصان نہیں ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بھی وہ دین کا کام کرنے والے قرار پا جائیں گے۔ آخر دنیوی لحاظ سے جو فائدہ ایک ایسے تاجر کو حاصل ہو سکتا ہے جو محض دنیا کمانے کے لیے تجارت کرتا ہے وہی فائدہ اُس تاجر کو بھی حاصل ہوتا ہے جو دینی قواعد کی پابندی کرتے ہوئے تجارت کرتا ہے، جس طرح وہ بُوٹ فروخت کرتا ہے اُسی طرح یہ بھی بُوٹ فروخت کرتا ہے، جس طرح وہ لوہا بیچتا ہے اُسی طرح یہ بھی لوہا بیچتا ہے، جس طرح وہ کپڑا بیچتا ہے اُسی طرح یہ بھی کپڑا بیچتا ہے اور جس طرح وہ نفع کماتا ہے اُسی طرح یہ بھی نفع کماتا ہے لیکن اگر یہ شخص اِس نیت اور اِس ارادے سے کپڑے بیچتا یا بُوٹوں کی تجارت کرتا یا لوہا فروخت کرتا ہے کہ اسلام کو فائدہ حاصل ہو، دین کی شوکت اور اُس کی طاقت میں اضافہ ہو، قومی رُعب میں ترقی ہو، جماعت کی اقتصادی حالت درست ہو اور اِس نیت کے ماتحت وہ اسلام کی مقرر کردہ پالیسی اور نظام اور قانون کے ماتحت تجارت کرتا ہے تو روٹی تو وہ بھی کماتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں جب وہ بُوٹ یا کپڑا یا لوہا یا تیل یا کوئی اَور چیز فروخت کر رہا ہوتا ہے تو وہ ایسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسے وہ دین کا کام کر رہا ہے۔ وہ بُوٹ نہیں بیچتا بلکہ کفر کی بربادی کے سامان کرتا ہے اور وہ پیسے لے کر اپنے گھر میں واپس نہیں لوٹتا بلکہ خدا تعالیٰ کی رضا اور اُس کی محبت کا تحفہ لے کر گھر میں آتا ہے۔ پس تجارت اور صنعت جو بظاہر دنیوی ترقی کے اسباب میں سے ہیں اور جن کا دین کے ساتھ کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا یہ سب کی سب دین بن جاتی ہے بشرطیکہ اسلام کی شوکت اور دین کی ترقی میں یہ چیزیں مُمِد ہوں۔

یہ مضمون بہت وسیع ہے اور کسی ایک خطبہ میں اِس مضمون کی تمام تفصیلات کو بیان نہیں کیا جا سکتا لیکن چونکہ مَیں ایک ہی خطبہ میں اِس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں اِس لیے میں خلاصۃً اِس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ:

(1) ہماری جماعت کے تاجر اور صنّاع آپس میں تعاون کریں اور ایک ایسی کمیٹی بنائیں جس کی غرض یہ ہو کہ وہ اپنے کارخانے اور تجارتیں اِس طرح چلائیں گے کہ دین کی مدد ہو۔

میرے نزدیک اب وقت آگیا ہے کہ ہمارے تاجر اور صنّاع ایک کمیٹی بنائیں جو صرف تاجروں اور صنّاعوں پر مشتمل ہو۔ اور اُس کمیٹی کے قیام کی اصل غرض یہ ہو کہ وہ اپنے کارخانے اور اپنی تجارتیں اِس رنگ میں چلائیں گے کہ دین کو تقویت حاصل ہو اور سلسلہ کی عظمت میں اضافہ ہو۔

(2) دوسرے اِس کمیٹی کی تشکیل کے بعد اُنہیں اس بات کا فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ آئندہ اِس طرح کام کریں گے کہ دوسرے دوستوں کے لیے بھی کام مہیا ہو سکے اور ہر جگہ احمدیوں کی تجارت مضبوط ہو۔ گویا اُن کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ وہ ایک تنظیم کے ماتحت دوسرے شہروں اور دوسرے علاقوں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی اپنی تجارت کو پھیلائیں گے۔ اور جو غریب احمدی ہوں گے اُن کی مدد کر کے اُنہیں کام پر لگائیں گے اور اُنہیں بھی تجارتوں اور کارخانوں کی ترقی کے اصول سے واقف کریں گے تاکہ تَعَاوُن عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی کا سلسلہ اُن کی طرف سے جاری رہے اور جماعت کے غریب طبقہ کی ترقی کا سامان ہوتا رہے۔ پھر نہ صرف انہیں غریب احمدیوں کی مدد کرنی چاہیے بلکہ اگر وہ ترقی کر کے دوسرے مسلمانوں کی مدد کر سکیں تو یہ اَور بھی بہتر ہے۔ بلکہ اِس سے بڑھ کر اگر وہ ہندوؤں اور سکھوں کی مدد کر سکیں تو اُن کی مدد کرنے سے بھی اُنہیں کوئی دریغ نہیں ہونا چاہیے۔ بِالخصوص اچھوت اقوام ایسی ہیں کہ اُن کی طرف خاص طور پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ ایک مسلمان کا تعاون محدود نہیں ہوتا بلکہ غیر معمولی طور پر وسیع ہوتا ہے۔ بے شک پہلا حق اپنی جماعت کا ہوتا ہے لیکن اُنہیں یہ کبھی خیال تک بھی اپنے دل میں نہ لانا چاہیے کہ ہم دوسروں کی مدد نہیں کریں گے۔ اگر وہ ایسا خیال اپنے دلوں میں پیدا کرتے ہیں تو ایک گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مثلاً تجارت ہے اِس کے متعلق یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ کثرت سے ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ مگر پھر بھی سارے ہندوؤں کے ہاتھ میں تجارت نہیں۔ بلکہ خود ہندوؤں میں سے ایک طبقہ بہت بُری حالت میں ہے اور وہ اِس بات کا مستحق ہے کہ اُس کی مدد کی جائے۔ اِسی طرح سکھ اکثر زمیندار ہوتے ہیں۔ اسلامی حکومت کے تنزل کے وقت سکھوں نے فائدہ اٹھا کر بہت سی زمینوں پر قبضہ کر لیا تھا مگر پھر بھی

سارے سکھ زمیندار نہیں بلکہ اُن میں سے بھی بہت سے ایسے ہیں جو سخت غربت اور تنگی کی حالت میں اپنی زندگی کے دن گزارتے ہیں۔ پس بے شک ہماری جماعت کے تاجروں اور صنّاعوں کا پہلا کام احمدیوں کی مدد کرنا ہے لیکن اِس کے بعد اُنہیں اپنی مدد کا دائرہ وسیع کرنا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ دوسرے مسلمان جو تجارت اور صنعت میں پیچھے ہیں یا دوسری اقوام جو تجارت اور صنعت میں پیچھے ہیں اُن کی مدد کریں۔ یہ تجاویز ابھی خیالی ڈھکوسلے معلوم ہوتی ہیں لیکن جب کوئی جماعت طاقت پکڑ لیتی ہے اور وہ اپنے تمام افراد کو پورے طور پر منظّم کر لیتی ہے تو تھوڑے دنوں میں وہ خود بھی اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاتی ہے اور دوسری اقوام کی مدد کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاتی ہے۔

(3) تیسرے وہ ایسی صنعتوں اور تجارتوں کی طرف توجہ کریں جو دین کی ترقی کے لیے مددگار ہوں۔ مَیں ابھی اِس کی تشریح نہیں کرتا۔ جب کمیٹی بن جائے گی تو اس وقت میں کمیٹی کے سامنے اِس کی تفصیل بیان کروں گا کیونکہ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو صرف کمیٹیوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا عام لوگوں کے سامنے ذکر کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ پس چونکہ اِس کی تفصیل کمیٹی کے سامنے ہی بیان کرنی مناسب ہے۔ عام لوگوں میں بعض رازوں کا اظہار نہیں کیا جا سکتا اِس لیے مَیں اِس وقت صرف اِسی قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت کے تاجروں اور صنّاعوں کو صرف ایسی تجارتوں اور صنعتوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے جس کی طرف توجہ کرنا دینی لحاظ سے مفید ہو۔

(4) چوتھے وہ اپنے کاموں کا انتظام اِس طرح کریں کہ مزدور کو اُس کا جائز حق ملے اور وقت پر ملے۔

(5) پانچویں مزدور بھی اپنی انجمن بنائیں جس طرح صنّاع اور تاجر اپنی انجمن بنائیں۔ مگر جہاں کارخانہ داروں اور تاجروں کی انجمن کی غرض یہ ہوگی کہ وہ مزدوروں کو اُن کا جائز حق دلائیں وہاں مزدوروں کی انجمن کی غرض یہ ہو کہ وہ مزدوروں میں محنت اور دیانت کا مادہ پیدا کریں۔ ہم یورپ کا طریق اپنے ہاں جاری کرنا نہیں چاہتے۔ وہاں مزدور اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے، تاجر اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے اور صنّاع اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے۔ مگر ہم اَور رنگ میں

کام کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا تاجر اور ہمارا صنّاع یہ مطالبہ کرے کہ مزدوروں کو اُن کا حق دیا جائے اور ہمارا مزدور اِس بات کا مطالبہ کرے کہ مزدوروں میں دیانت اور محنت کا زیادہ سے زیادہ مادہ ہونا چاہیے۔ اور ہم یہ طریق اپنے ہاں رائج کرنا نہیں چاہتے کہ مالک اپنا حق مانگتا پھرے اور مزدور اپنے حق کا مطالبہ کرتا رہے۔ یورپ نے یہ طریق اختیار کیا اور اِس کے نتیجہ میں فسادات نے ترقی کی۔ اِس لیے ہم یورپ کی نقل کرنا نہیں چاہتے۔ ہم اسلام کا قائم کردہ نظام دنیا میں جاری کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ مزدور اپنا حق نہ مانگے بلکہ مالک کا حق ادا کرے۔ مزدور یہ نہ کہے کہ مَیں اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہوں بلکہ مزدور مزدوروں کو سمجھائے اور اُنہیں نصیحت کرے کہ تم محنت اور دیانت داری سے کام کرو۔ اِسی طرح مالک اکٹھے ہو کر اپنے حق کا مطالبہ نہ کریں بلکہ وہ مالکوں کو سمجھائیں کہ مزدوروں کو اُن کا حق دو اور ٹھیک وقت پر دو۔ اگر اِس طرح مزدور اور سرمایہ دار دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں تو نہ مزدوروں میں بے چینی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ تاجروں اور صنّاعوں کی حق تلفی ہو سکتی ہے۔

(6) چھٹے مزدوروں کی ایک مشترکہ انجمن ہو کہ وہ آپس میں مِل کر ایک دوسرے کے حقوق پر غور کریں۔ لیکن جہاں وہ آپس میں تصفیہ نہ کر سکیں وہاں سلسلہ سے اِس بات کو طے کرائیں اور قضاء کے ذریعہ باہمی اختلاف کو دور کریں۔ اسلامی قانون یہی ہے کہ جب مزدور اور آقا میں کوئی جھگڑا ہو تو وہ قضاء سے فیصلہ کرائیں۔ اِس طرح بڑی آسانی سے آپس کے تمام تنازعات کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ محکمہ قضاء غیر جانبدارانہ رنگ میں غور کرتا ہے۔

مَیں نے بتایا ہے کہ ان میں سے بعض امور ابھی تشریح طلب ہیں اور پھر وہ تشریحات ایسی ہیں جن کو خطبہ میں بیان کرنا مناسب نہیں۔ مثلاً! اگر مَیں اِس وقت بتا دوں کہ فلاں قسم کے کام اگر احمدی تاجر اور صنّاع شروع کر دیں تو جماعت کو بہت بڑی ترقی حاصل ہو سکتی ہے تو اِس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دوسروں کو پتہ لگ جائے گا اور چونکہ لوگ ہمارے دشمن ہیں اِس لیے اِن باتوں کا علم ہونے پر وہ ہمارے راستہ میں روکیں پیدا کر دیں گے۔ اور بجائے اِس کے کہ ہمارے قبضہ میں وہ تجارتیں آئیں اُن تجارتوں پر وہ خود قابض ہونے کی کوشش کریں گے۔ اِس لیے مَیں تفصیلی باتیں اُسی وقت بیان کروں گا جب کمیٹی بن جائے گی۔ اس

انجمن کے قیام کے لیے ابھی یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ایک ایک شہر میں ہزار ہزار تاجر یا صنّاع ہوں اور ہر شہر میں ایک ایک کمیٹی بنا دی جائے۔ یہ ابھی دور کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جب ہماری جماعت میں تاجروں اور صنّاعوں کی زیادتی ہوئی تو اُس وقت ہو سکتا ہے کہ ایک ایک شہر میں انجمن بنا دی جائے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الگ الگ صوبوں کی انجمنیں بنا دی جائیں۔ اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک آل انڈیا یا آل ورلڈ انجمن بنا دی جائے۔ مگر سرِ دست اِس کام کے چلانے کے لیے مَیں سمجھتا ہوں کہ ہمارے لیے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ مرکز میں اِس کی ایک شاخ کھول دی جائے اور ایک سیکرٹری مقرر کیا جائے جس کا یہ فرض ہو کہ وہ جماعت کے تمام صنّاعوں اور تاجروں کی لسٹیں تیار کرے اور پھر اُن کو بلا کر مشورہ طلب کرے کہ کونسی تجارتیں ہماری جماعت کے لیے مفید ہو سکتی ہیں یا کونسی صنعتیں ایسی ہیں جن کو اختیار کرنے سے اسلام اور احمدیت کو طاقت حاصل ہو سکتی ہے۔ اِسی طرح اُس سیکرٹری کا یہ بھی کام ہو گا کہ وہ جماعت میں تجارت اور صنعت کے متعلق ایک عام تحریک کرے تا کہ لوگوں کو اس طرف توجہ پیدا ہو۔ ہماری جماعت کے دوستوں میں سے اِس وقت دو سو بلکہ اِس سے بھی کچھ زیادہ ایسے لوگ ہیں جو کنگز کمیشن حاصل کیے ہوئے ہیں۔ جب جنگ کے ختم ہونے پر یہ لوگ واپس آئیں گے تو ان سب کو نوکریاں تو نہیں مل سکیں گی۔ ان کے لیے بہترین ذریعہ معاش اس وقت یہی ہو گا کہ ان کو تجارت پر لگا دیا جائے۔ اور میرے نزدیک ایسے کئی ذرائع ہیں جن کے نتیجہ میں وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں اور تبلیغ بھی وسیع ہو سکتی ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے سندھی قوم میں سے شکار پور کے رہنے والوں میں بیداری پیدا ہوئی اور وہ تجارت کے لیے باہر نکل گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج یورپ میں چلے جاؤ، افریقہ میں چلے جاؤ سب جگہ شکار پور کے تاجر موجود ہوں گے۔ اِسی طرح اگر ہماری جماعت کے نوجوان غیر ملکوں میں تجارت کے لیے چلے جائیں تو وہ بھی بہت بڑے فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ بیرونی ممالک کے مبلغ مجھے اطلاعات بھجوا رہے ہیں کہ وہاں کئی قسم کی تجارتیں شروع کی جا سکتی ہیں اور کئی علاقے ہیں جہاں اگر کام کیا جائے تو بہت وسیع ہو سکتا ہے۔ ایسی جگہوں میں ایک ایک دو دو نہیں بلکہ بعض دفعہ سو سو آدمی ہمیں یکدم بھیجنے پڑیں گے۔ اور مَیں سمجھتا ہوں اگر ہماری جماعت کے نوجوان

اس طرف توجہ کریں تو جماعت کی اقتصادی حالت بھی بہتر ہو جائے گی اور احمدیت کو بھی ترقی حاصل ہو گی۔ یہ ذرائع ایسے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہم بہت جلد بغیر کسی خاص قربانی کے اپنی تبلیغ کو وسیع کر سکتے ہیں۔ مگر جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے ان امور کی تفصیلات مَیں اِس جگہ بیان نہیں کر سکتا۔ ان کو علیحدہ انجمن کے سامنے اِنْشَاءَ اللّٰہُ بیان کروں گا۔

تجارت اور صنعت و حرفت میں ترقی کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جماعت کے افراد میں محنت اور دیانتداری کا مادہ پیدا کیا جائے اور سائنس کی تعلیم کو اِس قدر وسیع کیا جائے کہ ہمارا ہر نوجوان سائنس پڑھا ہوا ہو۔ اِن دو باتوں میں سے سائنس کی تعلیم کے لحاظ سے تعلیم الاسلام کالج اور اخلاق میں سے محنت اور دیانتداری کی عادت نوجوانوں میں پیدا کرنے کے لحاظ سے خدام الاحمدیہ کی مدد کی ہمیں ضرورت ہے۔ خدام الاحمدیہ کا یہ ایک اہم ترین فرض ہے کہ وہ نوجوانوں میں محنت، جفاکشی اور دیانتداری کا مادہ پیدا کریں۔ مجھے نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی تک ہماری جماعت کے نوجوانوں میں محنت اور جفاکشی کی عادت پیدا نہیں ہوئی۔ اگر سلسلہ کا کوئی انتہائی ضروری کام بھی ان کے سپرد کیا جائے تو وہ چھ گھنٹے کام کرنے کے بعد اپنے گھروں میں چلے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اُن کا فرض ادا ہو گیا۔ ان کی سمجھ میں اِتنی بات نہیں آتی کہ جب ایک کام اُن کے سپرد کیا گیا ہے تو اُس کے لیے چھ گھنٹے کیا اگر اُن کو چوبیس گھنٹے بھی کام کرنا پڑتا ہے تو کرنا چاہیے۔ مگر بِالعموم ایسا نہیں کیا جاتا اور دفتری اوقات میں کام کرنا ہی اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ زندہ قوموں میں سے ہر شخص اپنے فرض اور اپنی ذمہ داری کو سمجھتا ہے اور اس کی ادائیگی کے لیے اگر اُسے اپنی جان بھی قربان کرنی پڑے تو وہ اس سے دریغ نہیں کرتا۔

انگریزوں میں قصہ مشہور ہے کہ ایک گاؤں کے پاس دریا کا ایک بند تھا جس میں ایک دن چھوٹا سا شگاف ہو گیا۔ آٹھ دس سال کا ایک لڑکا شام کے وقت اُدھر سے گزر رہا تھا کہ اُس نے دیکھا بند میں شگاف ہو گیا ہے۔ یہ دیکھتے ہی وہ اُسی جگہ بیٹھ گیا اور اُس نے اپنی انگلی اُس شگاف میں دے دی۔ کچھ دیر کے بعد وہ شگاف اَور چوڑا ہو گیا تو اُس نے اپنا ہاتھ اُس میں دے دیا اور اِسی طرح وہ اُس جگہ بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی اور شگاف پانی کے زور سے

اَور چوڑا ہو گیا۔ تب اُس نے اپنے سارے جسم کو اُس شگاف کے سامنے ایک دیوار کی طرح رکھ دیا تا ایسا نہ ہو کہ پانی بڑھ کر تمام گاؤں کو برباد کر دے۔ جب صبح ہوئی تو چند زمیندار اُس طرف آ نکلے اور انہوں نے دیکھا کہ لڑکے نے اُس بند کے شگاف میں اپنے آپ کو ڈالا ہوا ہے اور خود بیہوش پڑا ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے بچے کو نکالا اور اُس شگاف کو بند کر دیا۔ اب دیکھو! وہ آٹھ دس سال کا بچہ تھا اور اُسے بظاہر اِس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ بند ٹوٹتا ہے یا سلامت رہتا ہے مگر چونکہ وہ ایک زندہ قوم کا فرد تھا اُس نے سمجھا کہ اگر مَیں اِس وقت چلا گیا تو سارا گاؤں تباہ ہو جائے گا۔ لیکن اگر مَیں اپنے آپ کو فنا کر کے اِس بند کو ٹوٹنے سے محفوظ رکھتا ہوں تو گاؤں بچ جائے گا۔ چنانچہ اُس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا اور سارے گاؤں کو بچا لیا۔ وہ لڑکا اگر زندہ رہتا اور یہ کام نہ کرتا تو آج دنیا میں کوئی اُس کا نام بھی نہ جانتا۔ مگر آج سارے انگریز وہ نظمیں پڑھتے ہیں جن میں یہ ذکر ہوتا ہے کہ وہ لڑکا ایسا بہادر تھا، ایسا بہادر تھا۔ تو اُسے اپنی اِس قربانی کا جو بدلہ ملا وہ ایسا شاندار ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو یہ بدلہ اُسے کبھی نہ ملتا۔

پس محنت اور جفاکشی اور دیانتداری کا مادہ جماعت کے ہر فرد میں پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ خدام الاحمدیہ کو چاہیے کہ وہ اِس طرف خاص طور پر توجہ کریں اور نوجوانوں کا امتحان لیا کریں کہ اُن میں محنت اور دیانت کا مادہ کہاں تک پایا جاتا ہے۔ اِسی طرح انہیں نوجوانوں کے اندر یہ احساس پیدا کرنا چاہیے کہ جب کوئی اہم کام ان کے سپرد کیا جائے تو پھر چھ گھنٹوں کا سوال نہیں اگر چوبیس بلکہ اَڑتالیس گھنٹے بھی انہیں مسلسل کام کرنا پڑتا ہے تو کرنا چاہیے اور یہ جواب ہرگز اُن کے منہ سے نہیں نکلنا چاہیے کہ چونکہ وقت ہو گیا تھا اِس لیے مَیں کام کو چھوڑ کر چلا آیا۔ دوسرا حصہ جو سائنس کی تعلیم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اِس میں کالج والے جماعت کی مدد کر سکتے ہیں۔ کالج والوں کو چاہیے کہ وہ کوشش کریں کہ جو لڑکے یہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئیں وہ زیادہ سے زیادہ سائنس لیں۔ یہاں تک کہ سائنس کو اِتنی ترقی ہو اِتنی ترقی ہو کہ ہماری جماعت کا پچاس فیصدی حصہ سائنس کو پوری طرح جانتا ہو۔ جب جماعت کے نوجوان سائنس سے اِس طرح واقف ہو جائیں گے تب صنعت و حرفت کامیاب ہو گی۔ سائنس کے بغیر صنعت و حرفت میں کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔

غرض اِس سکیم کو کامیاب بنانے کے لیے سرِ دست ایک مرکزی دفتر کا کھولا جانا ضروری ہے۔ دفتر کا کام یہ ہو گا کہ وہ لوگوں میں صنعت اور تجارت کے متعلق تحریک کرتا رہے۔ اِسی طرح اُس کا یہ بھی کام ہو گا کہ وہ صنّاعوں اور تاجروں کی فہرستیں تیار کرے، کمیٹی کے اجلاس بلائے اور پھر اِس امر کی نگرانی رکھے کہ تاجر اور صنّاع ان قواعد کی کہاں تک پابندی کر رہے ہیں جو اسلام نے ان کے لیے تجویز کیے ہیں۔ اِس غرض کے لیے ایک ایسا افسر بھی مقرر کرنا پڑے گا جس نے تجارتی تعلیم پائی ہو یا تجارتی کاموں سے اُس کا تعلق رہا ہو۔ اُس کا کام یہ بھی ہو گا کہ وہ جماعتوں میں دورہ کر کے صنّاعوں اور تاجروں کو منظّم کرے۔ اِسی طرح اُس کا یہ بھی کام ہو گا کہ وہ خط و کتابت کر کے ساری جماعت کے صنّاعوں اور تاجروں کی آراء اور اُن کے خیالات معلوم کرتا رہے تا کہ اُن آراء سے جماعتی رنگ میں فائدہ اٹھایا جاسکے۔

مَیں سمجھتا ہوں پہلے سال اِس کام پر دس ہزار روپیہ خرچ ہو گا اور چونکہ یہ کام محض تاجروں اور صنّاعوں کی بہبودی کے لیے شروع کیا جا رہا ہے اِس لیے میں صرف تاجروں اور صنّاعوں کو یہ تحریک کرتا ہوں کہ وہ اِس چندہ میں حصہ لیں اور دس ہزار روپیہ جو پہلے سال کا خرچ ہے جمع کر دیں۔ سر دست اِس کمیٹی کا ایک سیکرٹری مقرر کر دیا جائے گا جو اُس وقت تک سلسلہ کے ماتحت کام کرے گا جب تک کہ تمام تاجر اور صنّاع منظّم نہیں ہو جاتے۔ پھر آہستہ آہستہ تاجر اور صنّاع اپنا دفتر بھی بنا سکتے اور اپنے کام کو زیادہ وسیع کر سکتے ہیں۔ بہر حال سیکرٹری کا کام یہ ہو گا کہ وہ تاجروں سے مشورہ طلب کرے کہ کون کونسے ایسے کام ہیں جن کو اگر شروع کیا جائے تو سلسلہ کے لیے وہ مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ اِس قسم کی تمام تجاویز کو جمع کرنا سیکرٹری کا کام ہو گا۔ اسی طرح اس کا ایک یہ کام بھی ہو گا کہ تاجر اور صنّاع ایک دوسرے سے تعاون کریں اور ایک دوسرے کی تجارت اور صنعت کو فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔ مثلاً ایک شخص نے کسی شہر میں اپنا کارخانہ کھولا ہوا ہو اور وہ اپنے حلقہ میں نہایت مفید کام کر رہا ہو تو اگر اس کی ایجنسیاں مختلف جگہوں میں قائم کر دی جائیں تو یہ بات اُس کارخانہ کی ترقی میں اَور بھی ممد ہو سکتی ہے۔ پس تاجروں اور صنّاعوں کو اس بات پر آمادہ کیا جائے گا کہ وہ ایک دوسرے سے تعاون کریں اور اپنے اپنے شہر یا اپنے اپنے صوبہ کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے

ایک دوسرے کی ایجنسیاں اپنے ہاں قائم کرنے کی کوشش کریں تا کہ ہماری جماعت کی تجارت میں ترقی ہو۔ بعض قسم کی تجارتیں ایسی ہیں جن پر اِس وقت قبضہ کیا جاسکتا ہے۔ سیکرٹری کا کام ہو گا کہ وہ تاجروں اور صنّاعوں سے اِس بارہ میں خط وکتابت کر کے فیصلہ کرے کہ کون کونسی تجارتیں ایسی ہیں جن پر قبضہ کیا جاسکتا ہے اور کون کونسی تجارتیں ایسی ہیں جن پر قبضہ اسلام اور احمدیت کے نقطۂ نگاہ سے زیادہ مفید ہے۔ مَیں بتا چکا ہوں کہ اِس تحریک کا چندہ صرف تاجروں اور صنّاعوں کے ذمہ ہے۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ اِس چندہ میں حصہ لیں۔ جب تاجروں اور صنّاعوں کی طرف سے جواب آجائے گا تو پھر کسی تعلیم یافتہ شخص کو جس نے تجارتی اور صنعتی تعلیم حاصل کی ہوگی سیکرٹری مقرر کر کے اِس کام کا عملی رنگ میں اِنْشَاءَ اللّٰہُ آغاز کر دیا جائے گا۔ وہ سیکرٹری مختلف مقامات کا دورہ کرے گا، تاجروں اور صنّاعوں کو منظّم کرے گا اور ان سے مشورہ کر کے سلسلہ کے سامنے یہ رپورٹ پیش کرے گا کہ آئندہ ہم اپنی تجارت اور صنعت کو اس رنگ میں کس طرح چلا سکتے ہیں کہ

اول اس سے اسلام کو مدد پہنچے۔

دوم اس سے جماعت کے دوسرے افراد کو فائدہ پہنچے اور وہ بھی تجارت اور صنعت و حرفت کے اصول اور ان میں کامیابی حاصل کرنے کے رازوں سے واقف ہو جائیں۔

سوم مزدوروں کو اُن کے حقوق ادا ہوتے رہیں اور ایسی تہذیب اور شائستگی اور متانت سے اُن کے ساتھ برتاؤ رکھا جائے کہ دوسری قومیں ہماری جماعت کے تاجروں اور صنّاعوں کو دیکھ کر سبق حاصل کریں۔ اور وہ اِس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر نہ رہیں کہ مومن تجارت میں کسی غریب شریک کا حق نہیں مارتا۔ بلکہ خوشی سے اُس کو اُس کا حق دیتا اور ٹھیک وقت پر دیتا ہے۔وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ "۔(الفضل22/ نومبر،1944ء)

---

1 : متی باب19 آیت24

2 : ... وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا... (الجمعۃ:11)

3 :النور:38

4 :التوبة:34

5 :غُلّق:غلک، نقدی رکھنے کا برتن

6 : وَاٰتُوالزَّكٰوةَ (البقرة: 44)

7 :آل عمران:135

8 :المائدة:3

9:البقرة:151

10: اَوْفُوْاالْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (الانعام: 153)

11: صحيح بخارى كتاب البيوع باب النجش و من قال لا يجوز ذٰلك البيع

12 : ابن ماجه ابواب التجارات باب الحكرة والجلب

13: ابن ماجه كتاب الرهون باب اجر الاجراء

14: كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَاحَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ اِلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ(البقرة :181)

15:الحکم 24جولائی1902ء صفحہ 11

16:الذاريات:20

17:سنن ترمذى ابوابُ البيوع باب ماجَاء فِى الْاِحْتِكَار

18:البقرة:181

19:بخاری كتاب الايمان باب ما جاء اَنَّ الْاَعْمَال بِالنِّيَّةِ وَالْحِسْبَةِ

20:البينة:9